اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

جلد نمبر.................. 60
شمارہ نمبر 3
جمادی الثانی...... ۱۴۴۶ھ
دسمبر ۲۰۲۴ء

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بانی	باہتمام	نگران	مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	مولانا حامد الحق حقانی	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

نائب مدیران: مولانا حبیب اللہ حقانی، مولانا محمد اسلام حقانی — منتظم: بابر حنیف

فہرست مضامین

- نقش آغاز: ماہنامہ ''الحق'' آن لائن ویب سائٹ کا آغاز۔ شام میں ظالم بشار الاسد خاندان کا نصف صدی پر محیط اقتدار کا خاتمہ۔ مولانا خلیل احمد مخلصؒ کا سانحہ ارتحال ...... مولانا راشد الحق ۲
- ملفوظاتِ امام لاہوریؒ .... مرتب: حافظ خرم شہزاد ۷
- مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سیاسی تفکر اور شیخ الہندؒ....(قسط۲) .... پروفیسر محمد یونس میو ۱۳
- سفرنامہ انڈونیشیا ......(چوتھی قسط) .... مولانا راشد الحق سمیع ۲۰
- شام میں کیا، کیوں اور کیسے ہوا؟.............................. ڈاکٹر ظفر الاسلام خان ۲۹
- عصر حاضر کے بحران اور مفکرین کا مطلوبہ کردار.............. جناب کمال اوزترک ۳۵
- معاشی اور معاشرتی ترقی اور انسانی رویے.............................. ڈاکٹر ساجد خاکوانی ۳۷
- درہم و دینار کو لوٹانے کی تدابیر پر چند گزارشات.............. ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ۴۲
- دو روزہ قومی کانفرنس کی مختصر روداد.............................. مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی ۵۶
- دارالعلوم کے شب و روز .... صاحبزادہ عبدالحق ثانی ۵۹
- تعارف و تبصرہ کتب .... مولانا محمد اسلام حقانی ۶۱

ماہنامہ ''الحق''، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔ آفس فون نمبر: 630435 -923 92+
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com --------- موبائل نمبر: 0345-9414977 - 0333-9167789
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk --------- فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/70 روپے۔ سالانہ -/800 روپے۔ بیرون ملک 40$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا راشد الحق سمیع، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم مولانا راشد الحق سمیع

ماہنامہ ’’الحق‘‘ آن لائن ویب سائٹ کا آغاز

https://alhaqonline.com

عہد جدید کے نئے تقاضوں اور نت نئی سائنسی تحقیقات، ایجادات اور علم و تحقیق کے نئے نئے زاویوں، ضابطوں اور جدید اصولوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جدید آلات کا استعمال، دین کی نشرواشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ جامعہ حقانیہ، ادارہ مؤتمر المصنفین اور ماہنامہ ’’الحق‘‘ کے اربابِ اہتمام شروع دن ہی سے نئے عہد میں آنے والی نئی تمام مثبت تبدیلیوں کا خیر مقدم کرتے چلے آرہے ہیں اسی سلسلے میں دارالعلوم کے نظام تعلیم میں بھی ہر قسم کی اصلاحی اور عصری تبدیلیوں کا وقتاً فوقتاً خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں کچھ عرصے سے انٹرنیٹ، موبائل، سوشل میڈیا، کمپیوٹر اور دیگر جدید ٹیکنالوجی کے آلات و ذرائع ابلاغ سے جہاں ہمارے معاشرے میں منفی چیزوں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا ہے وہیں اِن چیزوں سے بہت سی مثبت اور تعمیری، علمی و تحقیقی کام بھی سامنے آرہے ہیں، مثال کے طور پر کتابوں کا مطالعہ اور مکتوب نگاری کا کام ہر آنے والے دن کے ساتھ سکڑتا چلا جارہا ہے اور آئندہ پانچ دس برس میں بدقسمتی سے کتاب اور قلم کا کردار اور اہمیت مزید خطرے سے دوچار ہوجائے گا، انہی خطرات اور چیلنجز سے نمٹنے کے لئے مغربی دانشور، ادیب، پروفیسر، محققین اور علمی و تحقیقاتی اداروں نے اپنے تمام علمی اثاثوں، لائبریریوں کو کمپیوٹر، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، گوگل، یوٹیوب وغیرہ پر اَپ لوڈ کردیا ہے اور انہیں بہت ہی ارزاں اور چھوٹی سی ڈیوائس (یو ایس بی، میموری کارڈز) میں سمو دیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ انہوں نے واقعتاً محاورے سے بڑھ کر عملی طور پر علمی سمندروں کو کوزے میں بند کردیا ہے لہٰذا کافی عرصے سے راقم السطور یہ ضرورت محسوس کررہا تھا کہ دارالعلوم حقانیہ کی تمام تصنیفات، تالیفات، ماہنامہ ’’الحق‘‘ اور قدیم و تاریخی دارالعلوم کی مرکزی لائبریری کو بھی ڈیجیٹل کمپیوٹرائزڈ سرچ ایبل لائبریری میں منتقل کردیا جائے، اس پراجیکٹ پر کافی کام ہوچکا ہے۔

الحمدللہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا علمی، ادبی و دینی ترجمان مجلّہ ’’الحق‘‘ جو کہ ۵۹ سال سے مسلسل شائع ہورہا ہے، حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ادارت میں اس مجلّہ نے علمی، ادبی

اور دینی حلقوں میں اپنی ایک منفرد حیثیت قائم کئے رکھی ہے۔ نئے زمانے اور نئے حالات کے پیش نظر ماہنامہ ''الحق'' اب ڈیجیٹل دنیا میں آن لائن (ویب سائٹ) کی صورت میں بھی پیش کردیا گیا ہے۔ اب صرف ایک بٹن اور کلک کے ذریعے سے ''الحق'' کے بیش قیمت مضامین پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس ویب سائٹ میں ہر ماہ نیا شمارہ اَپ لوڈ کیا جائے گا اسی طرح اکتوبر ۱۹۶۵ء کے پہلے شمارے سے لے کر اکتوبر ۲۰۲۴ء تک تمام شمارے دستیاب ہیں۔ آپ اپنے پسندیدہ مضامین کو یونی کوڈ اور پی ڈی ایف فارمیٹ میں ملاحظہ اور انہیں ڈاؤن لوڈ بھی کرسکتے ہیں۔ یہاں قارئین کو علمی مضامین کے ساتھ ساتھ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی تازہ ترین معلومات اور احوال وشب وروز وغیرہ بھی دیکھنے کو ملیں گے، اس کے علاوہ معروف اہل علم وقلم کے تحقیقی مضامین، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، سیرت اور دیگر جدید موضوعات شامل ہیں جن سے آپ استفادہ نہایت ہی آسان اور مفت طریقے سے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ ہر ماہ کا شمارہ براہِ راست اپنے ای میل پر بھی قارئین موصول کر سکتے ہیں اور اسکے ذریعے عوام وخواص اور طلباء کے سوالات کے جوابات دینے کیلئے علماء سے براہ راست رابطے کی سہولت بھی موجود ہوگی۔ اس ویب سائٹ پر اَپ لوڈنگ کا کام مولانا مفتی یاسر نعمانی اور جناب بابر حنیف، جناب شاہد حنیف، جناب زاہد وغیرہ سرانجام دے رہے ہیں اور اس پر مزید بہتری لانے کا کام بھی جاری ہے۔ https://alhaqonline.com ویب سائٹ لانچ ہوچکی ہے۔ اب قارئین اس کا وزٹ ہر وقت کر سکتے ہیں اور اپنی علمی ودینی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ ساٹھ سال کا طویل عرصہ طے کرنے کے بعد ''الحق'' نے آسمان علم ومعرفت پر کمندیں ڈالنے کے بعد اب نئے انداز اور نئی جدت کیساتھ انٹرنیٹ کے افق پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ اس کامیابی میں بانی ''الحق'' حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ، جناب شفیق الدین فاروقی صاحبؒ، جناب نثار محمد مرحوم اور کئی دیگر اہم کارکنان، کاتب حضرات اور خصوصاً مضمون نگار حضرات کی سیاہی کے ساتھ ساتھ ان کا خون جگر بھی اس گلشن کی آبیاری اور سربلندی میں شامل ہے۔

یہ نصف صدی کا قصہ ہے　　　دو چار برس کی بات نہیں

وَ اللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ ھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ o

وَ مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ o

شام میں ظالم بشار الاسد خاندان کا نصف صدی پر محیط اقتدار کا خاتمہ

بلاد شام پر طویل عرصے سے اسد خاندان کی مسلط کردہ ظلم و بربریت کی سیاہ شام بالآخر ۱۶؍دسمبر کو صبح امید اور سحرِ نوید افزاء ثابت ہوئی اور عالم اسلام کے لئے فتح دمشق کا دن عرصہ دراز کے بعد فتح مبین ثابت ہوا۔ اہلِ فلسطین پر ڈھائے جانے والے مظالم اور وہاں کی انتہائی کربناک صورتحال سے عالم اسلام کے زخم زخم قلب وجگر کیلئے اکثریتی عوام کا اقتدار سنبھالنا باعث اطمینان وفرحت ثابت ہوا، اللہ تعالیٰ ہمیں القدس کی مکمل آزادی اور وہاں پر مظلوم مسلمانوں کی فتحیابی بھی دکھائے۔(آمین)

سرزمین انبیاء ارض شام پر نصف صدی سے مسلط کردہ کمیونزم اور اسدی خاندانی ''بادشاہت'' کا بھاری قفل مجاہدین اسلام کے نعرہائے تکبیر اور جہد مسلسل سے بالآخر چکنا چور ہوگیا۔ آج سے تقریباً ۵۳ برس قبل حافظ الاسد بدبخت ڈکٹیٹر نے اس ملک پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا اور پورے ملک کو اس نے دنیا کی ایک بہت بڑی جیل میں تبدیل کردیا تھا۔ ان ۵۳ برسوں میں اس کے خلاف کئی تحریکیں اٹھیں مگر اس ظالم اور اس کے بیٹے نے ان تحریکوں کو آگ وخون کے ذریعے دبا دیا تھا، پھر کچھ عرصہ قبل عرب بہار (عرب انقلاب) کی عوامی جدوجہد کے نتیجے میں تیونس، لیبیا، مصر اور شام میں عوام نے احتجاج شروع کیا تو بشار الاسد نے اپنی عوام پر دیگر دوست ممالک اور ظالم روس کے ہمراہ ایسی خطرناک فوجی مہم چلائی کہ آدھے سے زیادہ ملک کو کھنڈر بنادیا، اپنے لاکھوں شہریوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کردیا اور لاکھوں کو شہید کردیا اور بے شمار کو پابند سلاسل کیا۔ موجودہ عہد میں اپنے ہم وطنوں کے خلاف اس کے ظالمانہ منفی اقدامات کی نظیر نہیں ملتی۔

راقم نے ماہنامہ ''الحق'' میں اس سفاک کمیونسٹ بشار الاسد کے مظالم کے خلاف وقتاً فوقتاً اداریئے وتجزیئے لکھے۔ سن ۲۰۰۰ء میں اس کے اقتدار میں آمد کے موقع پر بھی میں نے ایک اداریہ لکھا تھا اور اسی طرح ''عرب بہار انقلاب'' کے موقع پر بھی میں نے اپنی معروضات اور چند تجزیئے لکھے تھے۔ آج الحمدللہ فتح دمشق کے موقع پر امت مسلمہ کے دلوں کی طرح میرا دل بھی باغ باغ ہوگیا ہے اور اپنی وہ پرانی تحریریں یاد آگئیں جس میں میں نے اس کے مظالم اور اس کی فاشسٹ حکومت کے سیاہ کارناموں کے متعلق لکھا تھا اور اس کے مظالم کی سیاہ شام کو نوید صبح میں بدلنے کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ''بشار الاسد حکومت کو لیبیا، مصر اور یمن کے حکمرانوں کے انجام سے سبق لینا چاہیے کیونکہ عوامی جدوجہد کے سمندر میں جب ایک بار طغیانی پیدا ہوجائے تو اس کے سامنے بڑے بڑے دیوہیکل

جہاز نما قصرِ صدارت اور اس کے بونے حکمران کہاں ٹِک سکتے ہیں، ان شاء اللہ! وہ دن دور نہیں جب دمشق کی مقدس فضاؤں میں آمریت کی زہریلی ہوائیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گی اور وہاں کے معصوم اور بہادر عرب مسلمان جمہوری طریقوں سے ایک خالص جدید اسلامی حکومت دیگر ہمسایہ ممالک کی طرح قائم و دائم کرلیں گے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے   یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے''

۱۹۹۷ء میں راقم نے ''جامعۃ الازہر'' مصر سے دوران طالب علمی شام کا سفر کیا، دراصل یہ سفر ''فتوح الشام'' کے مطالعہ کے ذوق وشوق کا ہی نتیجہ تھا۔ جب میں اردن سے بائی روڈ شام کی حدود میں داخل ہوا تو شامی بارڈر پر حافظ الاسد کے فوجیوں نے میرا پاسپورٹ اور حلیہ دیکھ کر مجھے کافی پریشان کیا اور بلاوجہ روکے رکھا۔ سنیوں کے لئے ان کی نفرت بھری اور ہتک آمیز رویہ میرے لئے انتہائی حیرت کا باعث تھا۔ چند دن دمشق میں گزارے اور تاریخی شہروں حلب وحمص میں بھی جانے کا اتفاق ہوا مگر پورے شام میں لوگوں میں خوف و ہراس چھایا ہوا تھا اور لوگ حقیقی اسلام پر عمل پیرا ہونے سے ڈرتے تھے۔ ظالم بشار کا عہد تو اس کے باپ سے بھی بدتر تھا، اس نے چنگیز خان اور شمالی کوریا کے ڈکٹیٹر صدر کم جونگ اون کے ریکارڈ بھی اپنی بربریت اور سفاکیت کی وجہ سے توڑ دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس فرعون اور ظالم ڈکٹیٹر سے شامی عوام کو نجات ملی اور طویل شام کی بالآخر صبح ہوگئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد مخلص صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

یہ حقیقت روز روشن کی طرح ہر ذی شعور انسان پر عیاں ہے کہ اُسے ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت تو ہر ذی روح کو آنی ہے لیکن علمائے کرام کی دنیا سے چلے جانے کے بارے میں احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ یہ علامات قیامت میں سے ہے اور آج کل پے درپے علمائے کرام کا اس دنیا سے چلے جانا اسی علامتِ قیامت کی عکاسی کرتی ہے۔ ''کاروان آخرت'' کے اسی قافلے کے نئے رفیق، خیبر پختونخوا وصوابی کے معروف عالم دین، ممتاز مدرس، قابل مصنف، سہ ماہی ''السعادۃ'' کے مدیر، جامعہ دارالعلوم سعیدیہ کوٹھا ضلع صوابی کے مہتمم، شیخ الحدیث، جمعیت علمائے اسلام نظریاتی کے مرکزی رہنماء اور سابقہ ممبر قومی اسمبلی حضرت مولانا خلیل احمد مخلص بھی تھے جو یکم دسمبر ۲۰۲۴ کو دارفناء سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت مولانا خلیل احمد مخلص صاحب علمی وروحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، حضرت

مولانا خلیل احمد مخلص صاحبؒ نے زندگی کا اکثر حصہ دین اسلام کی نشر واشاعت میں گزارا، آپ درس وتدریس، سیاست کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی خاصا ذوق رکھتے تھے۔ آپ ایک انتہائی شفیق استاد، تواضع وللّٰہیت کے پیکر اور انتہائی درجے کے ملنسار اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے اور اپنے تخلص کی طرح واقعی ہر لحاظ سے آپ ایک مخلص انسان تھے، آپ سے جب بھی کوئی ملتا تو آپ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے، آپ پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ مطالعہ کے شیدائی تھے اور خود کئی کتابوں کے مصنف بھی رہے، آپ نے اپنے ذوق کے مطابق ایک بہترین بیش قیمت کتابوں سے مزین ذاتی لائبریری بھی بنا رکھی تھی اور دارالعلوم سعیدیہ کے نام سے ایک بہترین اور معیاری ادارہ بھی قائم کیا جس کی خدمت میں آپ مستغرق تھے۔ قرآن کی تفسیر آپ کا خصوصی موضوع تھا۔ تعلیم و تعلم آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، آپ انتہائی کم گو انسان تھے مگر جب بھی بات کرتے تو بہت باوقار اور علمی گفتگو فرماتے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے آپ مختلف بیماریوں کا شکار تھے مگر درس و تدریس اور مدرسے کی خدمات کے سلسلے میں آپ کے پایہ استقامت میں آخر تک خلل نہیں آیا تھا۔ والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، خانوادہ حقانی اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ مولانا مرحوم کا علمی ودینی وروحانی تعلق قائم تھا، زمانہ طالب علمی میں استاد محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ کے ساتھ آپ کا بڑا اچھا دوستانہ و برادرانہ تعلق تھا۔ علمی وادبی ذوق حضرت فانی صاحبؒ کی صحبتوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت اور قلم میں اور بھی پروان چڑھا۔ دور طالب علمی میں آپ صدر مدرس حضرت مولانا عبدالحلیمؒ کے خصوصی خادم بھی رہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ کے بھی منظور نظر تھے اور ان دونوں اکابرین سے روحانی فیض خوب حاصل کیا۔ راقم کے ساتھ بھی آپ کا شفقت ومحبت کا تعلق ''الحق'' کی ادارت کی وجہ سے آخر دم تک قائم رہا۔ جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی تو ہمیشہ حوصلہ افزائی اور تشجیعی کلمات ادا فرماتے۔ راقم سفر کے باعث جنازے وتعزیت کے لئے بروقت نہ جاسکا مگر خاندان کے دیگر افراد و برادران نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ دکھ اور صدمے کی اس گھڑی میں خانوادہ حقانی، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے تمام اساتذہ وطلباء اپنے قابل فخر روحانی فرزند مولانا مخلص مرحوم کی اچانک وفات پر ان کے اکلوتے صاحبزادے مولانا محمد قاسم خلیل صاحب، بھائی مولانا حافظ سلیم حقانی صاحب، مدرسہ کے اساتذہ کرام اور خصوصاً برادر حضرت محترم مولانا عطاء الحق درویش صاحب کے ساتھ دلی تعزیت کرتے ہیں اور اس حادثہ کو اپنا غم سمجھتے ہیں۔ دارالعلوم میں ان کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا خلیل مخلصؒ کی تمام مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے (آمین)

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر　　　اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

(قسط ۸) مرتب: حافظ خرم شہزاد

ملفوظاتِ امام لاہوریؒ

''تفسیر لاہوری'' کی روشنی میں!

حجۃ اللہ البالغہ کی خصوصیت

''حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں احکام شریعہ کے مصالح بیان فرمائے ہیں، اس کے پڑھنے سے یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بلند پایہ کتاب کو سمجھنے کے لئے تمام علوم ظاہری سے فارغ ہونا ضروری ہے (اور) اس کو پڑھانے کے لئے علوم باطنی کی بھی ضرورت ہے۔'' (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۱۲۲)

اختلافِ صوری سے اختلافِ ذاتی لازم نہیں آتا

''شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کا دین اصولاً متحد ہے، جیسے عباداتِ بدنیہ تھیں، ہم میں بھی ہیں گما حرف تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً متحد ہیں، اسی طرح سب کی تعلیم کا اصل اصول توحید، رسالت، مجازات ہی ہے مگر صورتیں مختلف ہیں یعنی قربانی، مالی اور بدنی کی ہر ایک کی صورتیں شریعت کی مختلف ہیں، مثلاً یہود سے زکوٰۃ دسواں حصہ لیا جاتا تھا اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اور اس سے اختلافِ ذاتی لازم آتا ہے لہٰذا امم سابقہ یعنی یہود اور نصاریٰ کو شریعت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے بلکہ تسلیم کرنا چاہئے۔'' (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۱۶۱)

صوفیاء کے ہاں افراط وتفریط

''اس لئے مسلک انبیاء علیہم السلام ایک معتدل مسلک ہے، جس پر ایک انسان یعنی شاہ وگدا چل سکتا ہے، بخلاف مسلک صوفیائے کرام کے، چونکہ مسلک صوفیاء میں افراط وتفریط ہوئی اسلئے اسکو ہر ایک انسان نہیں نبھا سکتا، جیسے پاس انفاس (ہر سانس کیساتھ اللہ کا لفظ جاری ہونا) وحبسِ دم (سانس کو قابو میں رکھنا) یا بعض صوفیائے کرام تہذیبِ نفس کیلئے چلّے بتلاتے ہیں۔'' (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۱۶۴)

بزرگوں کا کمال ادب

''مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے اس مرتبہ جلسے میں میری اطلاع کے بغیر میرا نام تقریر کے لیے

تہذیب اخلاق وتزکیہ نفس کا عنوان رکھ کر شائع کیا العالم لایتمیزولا یتزکیٰ الا بصحبة المرشد (عالم تمیز اور تزکیہ بغیر صحبت مرشد کے نہیں کرسکتا) اور تمیز اللہ کے پاک نام سے پیدا ہوتی ہے، اولیاء کے قدموں کی خاک سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاج میں نہیں، کیا ان بادشاہوں کو تمیز ہے؟ اور جب تمیز ہوجائے تو حلال کھائے گا، حرام سے بچے گا اور عبادۃ اللہ کا رجحان پائے گا لیکن.....

مدتی این مثنوی تاخیر شد
مہلتی بایست تا خون شیر شد

اس کے لیے ریاضت اور محنت کی ضرورت ہے طالب صادق اور شیخ کامل ہو، یہ میری مرئیات (دکھائی دینے والی چیزیں) ہیں ظنیات نہیں، عقیدت اور ادب واحترام میں فرق نہ آنے پائے، یہ تجربہ ہے، ورنہ رابطہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔'' (تفسیر لاہوری، ج۳،ص:۱۹۲)

حضرت مدنیؒ کی مجلس میں کمال ادب

''میں تین تین گھنٹے حضرت مدنیؒ کے سامنے خاموش باادب بیٹھتا تھا، کامل کے سامنے دل اور باطن میں ادب کرکے بیٹھنا الگ طریقہ ہے اور ظاہراً بیٹھنے کا بھی طریقہ اور ہے کأن علیٰ رؤسنا الطیر (گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں) حضرت مدنیؒ میرے پیر اور مرشد نہیں تھے مگر میں ان کا ادب شیخ کی طرح کرتا تھا، ایک دفعہ حضرت کو کہیں باہر جانے کی ضرورت آئی تو فرمایا احمد علی! میں نے کہا حاضر ہوں، فرمایا میری جگہ بیٹھ جاؤ۔ وہ پہچانتے ہیں، ایک اللہ والے کو ناراض کرنا کوئی آسان بات ہے اسکی پھٹکار اسکی طرف سے پڑتی ہے من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب (بخاری:۶۵۰۲) جس نے میرے ولی سے عداوت کی تو میری طرف سے اعلان جنگ ہے، میں تمام اولیاء اللہ اور چاروں سلسلوں کے خاندانوں کی عزت کرتا ہوں۔'' (تفسیر لاہوری، ج۳،ص:۱۹۲)

علماء کرام کا فرض

''جس جس کو یہ قرآن پہنچے، یہ قرآن مجید آج کل طباعت کی برکت سے ہر گاؤں، ہر قصبہ، ہر شہر میں پہنچ رہا ہے لہٰذا جہاں پر یہ قرآن مجید پہنچے، ان لوگوں کو سمجھانا اور ڈرانا دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے۔ اب علماء جو عالم دین ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں خلق خدا کو اس قرآن مجید کے ذریعہ سے ڈرانا ان کا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے:ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثودينارا ولا درهماانما ورثواالعلم فمن اخذبه اخذ بحظ وافر(ترمذی:۲۶۸۲)''علماء ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے دینار(سونے کا سکے) کا اور درہم (چاندی کا سکہ) انہیں وارث نہیں بنایا سوائے اس کے کہ وہ علم الٰہی جو انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پایا علمائے کرام نے وراثت میں وہ حاصل کیا'' لہٰذا علمائے کرام کا یہ فرض ہے کہ اور کچھ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں، قرآن شریف لوگوں کو ضرور سنائیں اور اس کے ذریعہ سے مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرائیں، توحید کا مسئلہ اگرچہ صاف ہے لیکن جب تک اولوالعزم نبی شرک سے برأت کا اظہار نہیں کرتا تب تک لوگ زیادہ توجہ نہیں کریں گے۔'' (تفسیر لاہوری، ج ۳،ص:۳۴۱،۳۴۲)

مرغی کی ایک مثال

''(۱) مرغی کے نیچے جب انڈے رکھ دیے جاتے ہیں تو اس کے سینے کے نیچے دس انڈے آتے ہیں تو اگر کوئی عورت اس کے نیچے پندرہ انڈے رکھ دے تو پھر مرغی چونچ سے انڈے آگے پیچھے کر دیتی ہے تاکہ اس کو گرمی یکساں پہنچے، یہ فرداً فرداً القا کیا جاتا ہے۔

(۲) مرغی دانہ چگنے کے لیے بہت تھوڑے وقت کے لیے جاتی ہے۔

(۳) مقرر مدت میں انڈوں سے بچے نکلتے ہیں۔

(۴) چیل سے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔

ان کے علاوہ حیوانات کو فرداً فرداً یہ القا کیا جاتا ہے اور انسانوں کے لیے ضابطۂ حیات قرآن مجید ہے جو پیغمبر خدا پر نازل ہو چکا ہے تو اگر کوئی اس کو جھٹلائے تو وہ گمراہ ہے۔'' (تفسیر لاہوری، ج۳،ص:۳۵۹)

تقلید کا صحیح مطلب

''اپنے مذہب کو کھیل اور تماشہ نہ بناؤ بلکہ تمہارا فرض ہے کہ سوچو کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے تمام سلف احنافؒ اس امر پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے کیونکہ ہم اسی کے بندے ہیں اور اس کا حکم صریح مل جائے تو پھر کسی اور طرف جانے کی ضرورت نہیں۔اس کے بعد نمبر دوم سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ ہیں۔جب ان دونوں مقامات سے کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آئے تو پھر اجماع امت کو دیکھا جائے کہ آیا پہلے مبارک زمانوں

میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی ہے اور کچھ طے پایا ہے اگر وہ مل جائے تو فبہا ورنہ پھر شرعاً قیاس کرنے کی اجازت ہے لیکن بجائے اس کے کہ انسان خود قیاس کرے اگر کسی بڑے درجے کے عالم، متقی، عابد زاہد ماہر علوم کتاب اللہ وسنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قیاس پر اس شرط سے عمل کرے کہ اگر میرے امام کی رائے اللہ تعالیٰ کی کتاب یا رسول اللہ کے ارشادات کے مخالف ہوئی تو اس کو چھوڑ دوں گا اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کروں گا تو اس کا نام تقلید ہے۔
سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے: اذا صح الحدیث فھو مذھبی (آنحضرتؐ سے جو حدیث صحیح مل جائے وہی میرا مذہب ہے)'' (تفسیر لاہوری، ج۳، ص:۳۹۶، ۳۹۷)

شیطان کا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو ورغلانا

''حضرت پیرانِ پیر عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب ''طیبات'' میں لکھا ہے کہ ایک رات مجھے فضائے نورانی میں ایک تخت نورانی پر ایک ذات نورانی دکھائی دی اور مجھے آواز دی کہ عبدالقادر! تجھے نمازیں معاف ہیں، میں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو معاف نہ ہوئیں تو میں کس باغ کی مولی ہوں تو میں نے جھٹ کہا کہ اخسأ یا لعین تو فضا اور نہ ذات اور نہ تخت رہا اور آواز سنائی دی کہ اے عبدالقادر! تجھے علم نے حفاظت میں لیا، ورنہ اس جال میں مَیں نے بہت سے زاہدین اور فقراء کو پھنسا کر گمراہ و برباد کیا ہے۔'' (تفسیر لاہوری، ج۳، ص:۵۱۶)

حضرت لاہوریؒ اور کھدر کا کپڑا

''خود میں کھدر کا کپڑا پہنتا ہوں تو اتنا کھدر آتا ہے کہ سب لڑکے بھی پہنتے ہیں جبکہ لاہور میں بالکل کھدر نہیں ملتا۔ یہ پگڑی کا جو ٹھہراؤ ہے ململ میں نہیں ہے، دہلی سے منگواتا ہوں جو ہاتھ کا کاتا ہوا ہے۔ گاندھی نے تحریک چلائی تو بڑی مہارت پیدا ہوئی، حضرت مدنیؒ نے جو مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا دیگر کپڑوں کا، اس کا مقصد انگریز سے عداوت ونفرت کا اظہار تھا اور وہ یہ تھا کہ ہندوستان کی کمائی کا ایک پیسہ بھی انگریز کے ہاتھوں میں نہ جائے۔'' (تفسیر لاہوری، ج۳، ص:۵۲۶)

دیہات اور شہر کے ماحول میں فرق

''دیہات میں فطرت طبعی ہوتی ہے اس لیے کچھ شرافت ہوتی ہے، اسباب فسق وہاں نہیں ہوتے، نہ شراب خانے، نہ سینما ڈانس اور نہ کنجر خانہ بالکل سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں، شہری بگڑے ہوتے ہیں، برائیوں کے مراکز شہر ہیں۔ اس طرح اگر یہ لوگ کتاب اللہ کو مان جائیں تو سب کچھ ٹھیک

ہوجاتا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کے وقت قوم کی فطرت بگڑ گئی۔ انبیاء علیہم السلام قبل از نوح علیہ السلام ملھم من اللّٰہ تھے لیکن مبعوث و رسل لاصلاح خلق اللّٰہ نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی نہیں۔ حدیث شفاعت میں ہے اول من بعثه الله نوح ای مرسل لاصلاح خلق الله پہلی مرتبہ ود، سواع، یعوق، نسر، یغوث جیسے بڑے بڑے بزرگ جب وفات پاگئے تو شیطان نے اکسا کر ان کو خدا تعالیٰ اور اپنے درمیان وسیلہ ٹھہرایا اور انہیں ان کی قبر پرستی پر آمادہ کیا تاکہ وہ ان کی عبادت میں لگے رہیں۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۵۵۱)

انسان کے ضروری کام

’’آپ کو معلوم ہے کہ انسان کے ذمے مختلف قسم کی ذمہ داریاں ہیں، بعض کا تعلق اپنی ذات سے ہے، مثلاً کھانا، پینا، سونا، روزی کمانے کے لیے دکان یا دفتر میں جانا اور بعض ذمہ داریوں کا تعلق اعزہ قرباء سے ہے، مثلاً بچوں کی ضروریات کو پورا کرنا۔ بعض کا تعلق ماں باپ سے ہے، مثلاً ان کے کھانے پینے اور ان کے آرام کا سامان بہم پہنچانے بعض ذمہ داریوں کا تعلق حکومت وقت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اسکے احکام کی تعمیل کی جائے اور بعض کا تعلق پالتوں جانوروں سے ہوتا ہے مثلاً گائے، بھینس یا گھوڑا رکھا ہوا ہے تو اسکے چارے پانی کا خیال رکھنا۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۵۵۱)

مخلص اور سچے خیر خواہ

’’ہر قوم کے پیغمبر نے اپنی قوم کو کہا ہے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ بے طمع دوست صرف تین قسم کے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ (۲) انبیائے کرام علیہم السلام (۳) اولیائے کرام۔ باقی سب غرض کے یار ہوتے ہیں۔ ماں، باپ، بیٹا، زوج اور دوست وغیرہ سب۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۵۵۳)

ہلاک شدہ امتوں کے انبیاء کی قبور

’’ہمارے مفسرین حضرات لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی امتیں ہلاک ہوجاتی ہیں تو وہ انبیاء علیہم السلام مکہ معظّمہ میں تشریف فرما ہوتے اور مفسرین کہتے ہیں کہ ان کی قبور اکثر مکہ مکرمہ میں ہیں، آگے تفصیل میں نہیں جاؤں گا لیکن اتنا کہتے ہیں کہ ستر انبیاء علیہم السلام کی قبور مطاف میں ہیں۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۳، ص: ۵۶۵)

قوتِ ملکیہ

’’چالیس روزوں کی وجہ یہ تھی کہ معاملات عالم ناسوت سے منقطع ہوکر فنافی الملکیت ہوجائیں اور اعلیٰ ترین استعدادِ ملکیہ حاصل ہونے پر ہدایت سماوی بلا واسطہ لینے کی صلاحیت پیدا ہوجائے، اس لیے خلوت اور صیام کی ضرورت پڑی تاکہ قوتِ ملکیہ تیز ہوجائے اور اخذ علوم کی استعداد کامل ہوجائے۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۴، ص:۹۱)

دنیادار شادی پر زیر ہوجاتے ہیں

’’دنیا دار شادی پر زیر ہوجاتے ہیں، آج ہی مولوی حمیداللہ (حضرت لاہوریؒ کے صاحبزادہ) کی شادی کر کے آیا ہوں، میں نے نہ کچھ دیا اور نہ لیا،لڑکی والوں نے اگر کچھ دیا تو اپنی بیٹی کو دیا، ہم نے اگر کچھ دیا تو اپنی بہو کو دیا۔دنیا دار کیلئے شادی عذابِ الٰہی بن جاتی ہے، قناتیں اور شامیانے آرہے ہیں، میزیں اور کرسیاں آرہی ہیں۔ ہمارا ولیمہ فرش زمین پر ہوگا، ہماری برادری یہاں بیٹھی ہے،کل رات وہاں آرام سے سوئے تھے،آج یہاں آرام سے سوئیں گے۔ نہ شادی کی فکر تھی اور نہ ولیمہ کی فکر ہے،اللہ تعالیٰ جو راستہ سمجھاتے ہیں اس میں دنیا کی بھی عزت فرحت اور راحت ہوتی ہے، دنیا دار احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے دنیا میں ذلیل وخوار ہوتے ہیں، یہ دنیا میں بہشت تو نہیں بن سکتی جس کے ہمیں قرآن مجید میں وعدے دیئے گئے ہیں البتہ قرآن مجید کے راستے پر چلنے سے ہر ممکن آرام مل سکتا ہے۔سبیل الرشد قرآن ہے، جن کو اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں وہ اللہ کی ہر بات کو مانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی شادیاں بھی اسی طرح کی تھیں۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۴، ص:۹۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں بڑی حکمت

’’انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ (حضرت علیؓ) باعتبار قرابت تھے ورنہ باعتبار نبوت کے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔اعلم اهل الارض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔اگر حضرت علیؓ کو خلافت سونپ دیتے تو اُسی وقت لڑائیاں اور اختلاف شروع ہو جاتا ،بنوامیہ لڑنا شروع کردیتے جیسا حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کے بعدہوا تو وصال کے بعد سب کچھ شروع ہوجاتا۔‘‘ (تفسیر لاہوری، ج ۴، ص:۱۰۰)

(قسط دوم)

پروفیسر محمد یونس خان میو *

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سیاسی تفکر اور شیخ الہندؒ

سید محبوب رضوی نے لکھا ہے کہ یہ جمعیت جن اغراض و مقاصد کے لیے قائم ہوئی ان میں سب سے اہم مقصد دارالعلوم کے اثرات کی اشاعت و ترویج اوران کو ہمہ گیر بنانا تھا۔اس کے ساتھ مالی امداد و اعانت بھی اس کے مقاصد میں شامل تھی نیز یہ کہ مولانا نانوتویؒ کے فلسفہ کی نشر وتعبیر اور اس کی نشر و اشاعت کا اہم کام بھی جمعیت الانصار مدینہ کے فرائض میں شامل تھا۔ (۲۴) بلاشبہ یہ جملہ اغراض و مقاصد اس تنظیم کے ہونے چاہیں اور تھے بھی کہ فضلائے دیوبند نے اس کے پلیٹ فارم سے علمی، مذہبی، قومی وملی اور وطنی تمام ہی خدمات انجام دے رہے تھے۔شہر ہند میں اس کی شاخین کھلنے لگیں، جس کی کچھ تفصیل ''حیات عثمانی'' اور ''ثمر التربیت سے ریشمی رومال کی تحریک تک'' جیسی کتب اور مقالات میں ملتی ہیں لیکن اس سب کے باوجود اس بات سے کسی طور انکار ممکن نہیں ہے کہ اس تنظیم کے بانیوں کے پیش نظر ملک کے سیاسی حالات ضرور تھے۔ یوں یہ سارے اقدامات اسی سلسلہ کی کڑیاں نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ غیرملکی حکمران (British) الانصار کے پہلے اجلاس کی کامیابی سے چونک اٹھے (۲۵) اور ان کی نظریں دارالعلوم دیوبند کی سرگرمیوں پر مرکوز رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کے تحفظ اور بقا کی خاطر بانی تنظیم نے اس کو ایک اور نام سے دہلی میں منتقل کر دیا(۲۶)

ایک اور بات یاد آ رہی ہے جس سے شیخ الہندؒ کی سیاسی تحریک کے عالمگیر اثرات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ یہ ہے جب مولانا محمود حسن کو مکہ سے گرفتار کر کے قاسیرہ (جبزہ) لے جایا گیا جہاں سے آپ مالٹا نامی جزیرہ میں لے جا کر قید کر دیا جاتا تھا تو قاہرہ میں انگریزی حکام کی پولیس نے آپ سے ریشمی رومال خط، غالب نامہ کے علاوہ یہ وضاحت بھی چاہی کہ آپ نے دیو بند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی تھی؟ نیز ایک سوال یہ تھا کہ آپ برطانیہ کے خلاف سیاسی سازش میں شریک ہیں اور آپ فوجداری کمانڈر ہیں؟ (۲۷) یہ وہ حقائق ہیں جو شیخ الہندؒ کی سیاسی جدو جہد پر مبنی ہیں۔ علاوہ ازیں خود دارالعلوم میں مولانا کے سیاسی نظریات پر تحفظات کا اظہار ہی اس امر پر دال ہے، مولانا مدنیؒ نے

---

* گورنمنٹ گریجویٹ کالج آف کامرس گوجرانوالہ

اپنی خودنوشت میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے اور ایک حاشیہ میں مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے سیاسی اختلاف کا عندیہ بھی موجود ہے۔ (۲۸) یہاں ایک اور رپورٹ پیش نظر ہے جس کا تعلق ریشمی خطوط کی ڈائریکٹری سے ہے۔ اس میں ان مواد اور اداروں کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں معلومات ہیں جو کسی نہ کسی طرح مولانا محمود حسن کی سیاسی تحریک سے وابستہ رہے تھے۔ یہ ڈائریکٹری برٹش سی، آئی، ڈی کی تیار کردہ دستاویز ہے جو انہوں نے اپنے ذرائع سے مرتب کی تھی، اس طرح کی رپورٹس میں اختلافی نوٹس کا آنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہوتی لیکن یہاں جو رپورٹ پیش کی جارہی ہے اس کے جملہ مندرجات کی تصدیق دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے نیز قرائن بھی اس پر شاہد ہیں۔ یہ شیخ الہند کی قائم کردہ انجمن طلبائے قدیم دارالعلوم دیوبند سے متعلق ہے جس کو تاریخی اور تنظیمی طور پر جمعیۃ الانصار دیوبند کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس کے جنرل سیکرٹری تھے۔ یہ ڈائریکٹری اس تنظیم اور اس کے بانیوں کے بارے میں کہتی ہے:

ایم عبید اللہ کی نظامت اور چھ سات مجروں پر مشتمل مجلس منتظمہ کے ساتھ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی، (۲۹) یہ انجمن دیوبند میں تعلیم پائے ہوئے مولویوں کا انجمن کے طور پر قائم کی گئی تھی تاکہ (الف) مدرسہ دیوبند کا انتظام کرے اور اس کو بہتر بنائے۔ (ب) مدرسہ کیلئے رقم کا انتظام کرے (ج) دیوبند میں جن عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے ان کی تبلیغ کرے اور انہیں فروغ دے اور (د) دوسرے مقامات پر ایسے ہی مدرسے قائم کرے۔

تجویز یہ تھی کہ تمام مدارس اسلامیہ کو جمعیۃ الانصار کے تحت کر دیا جائے اور دیوبند کے فارغ التحصیل مدرسوں کو ایسے تمام مدرسوں میں بھیجا جائے۔ اس کے قواعد وضوابط تیار کیے گئے تھے (۳۰) اور اس کے سالانہ جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے (۳۱) تاکہ جمعیۃ الانصار کے مقاصد کی تبلیغ کی جاسکے، لاہور کی صوفی مسجد کے ایم ابو احمد نے نائب ناظم کی حیثیت سے ۱۹۱۱ء میں چند ماہ کام کیا۔ ابتدا میں دیوبند کے مدرسہ کی ساری مجلس منتظمہ جمعیۃ الانصار کے حق میں تھی۔ جلد ہی عبید اللہ نے انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کو طالب علم بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ (۳۲) اس پر اس ادارہ نے نیم سیاسی نوعیت اختیار کر لی۔

جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور دیوبند کے ذمہ داروں نے ترکی کی مالی امداد کے جواز کا فتوی جاری کر دیا تو اچانک جمعیۃ الانصار اپنے اصلی رنگ میں آ گئی اور انتہائی متعصب سیاسی جماعت بن گئی۔ مولوی، طلبا اور دوسرے لوگ مبلغ بنا کر بھیجے جانے لگے اور ترکی کی مدد کے لیے جلال احمد کے فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کی جانے لگیں۔ (۳۳) غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تبلیغ بڑے شدومد سے کی گئی۔ (۳۴) اس

کی شاخ تاہم المعارف نے کلکتہ میں چندہ جمع کرنے کے سلسلہ میں بہت کافی سرگرمی دکھائی، اس پر مدرسہ کے عملہ کے سنجیدہ لوگ چوکتے ہوئے اور ایسے اختلاف پیدا ہوئے کہ عبید اللہ کو ۱۹۱۳ء میں استعفیٰ دینا پڑا۔ جلد ہی اس ادارے کا جو ود ختم ہو گیا۔

برٹش رپورٹ کا تنقیدی جائزہ

ریشمی رومال کی ڈائریکٹری کی اس رپورٹ پر ایک تنقیدی جائزہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پندرہ صفحات کی یہ بحث نکلتی ہے لیکن یہاں اس کی بجائے اس رپورٹ پر تحقیقی اور تنقیدی حواشی مرتب کر دیئے گئے ہیں جو حضرات اس رپورٹ کی تحقیق کرنا چاہیں وہ ان حوالہ جات سے رجوع فرما سکتے ہیں۔ امید واثق ہے کہ یہ حواشی بھی اس کی مندرجات کی تصدیق کے لیے کافی ہوں گے۔ جمعیۃ الانصار کی یہ رپورٹ جامع ہونے کے ساتھ ساتھ حقائق پر مبنی نظر آتی ہے البتہ جہاں تک تعلق ہے اس رپورٹ کے آخری جملہ کا کہ اس مدرسہ کے سنجیدہ لوگ چوکتے ہوئے اور ایسے اختلاف پیدا ہوئے کہ عبید اللہ کو استعفی دینا پڑا اور بعد ہی اس ادارے کا وجود ختم ہو گیا۔ اس سے جزوی اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ دارالعلوم دیو بند میں شیخ الہند ایک سیاسی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ ثمر التربیت اور جمعیۃ الانصار جیسی تنظیمی اور مولانا عبید اللہ جیسے انقلابی علماء کی سرگرمیوں سے بھی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ اس وجہ سے اس بات کا امکان تھا کہ مجلس انصار کے وہ لوگ جو دارالعلوم دیو بند نے تعلیمی وعلمی اور اصلاحی پہلو پر کام کر رہے تھے جن میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ جیسے محدث بھی شامل تھے انہوں نے مولانا سندھیؒ کی سیاسی گرمیوں کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہو اور برٹش انٹیلی جنس کی نظر میں مدرسہ کے سنجیدہ لوگوں سے مراد ایسے حضرات ہی ہوں۔ اس بارے میں مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی معنی خیز اشارہ کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا مدنی جمعیت الانصار کی اس خاص کمیٹی کے رکن تھے، جس کے ناظم مولانا سندھیؒ تھے اور جس کو نصاب، طرز تعلیم اور نظم مدرسہ کے حوالہ مجلس خاص کا نام دیا گیا تھا۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا مدنی کے اس تبصرہ کو پڑھیے تو بات کچھ سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیو بند کے ارباب کے سامنے انجام اور دارالعلوم کا بقاء وتحفظ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریز کی پالیسی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی سرگرمیوں کو نہ صرف دارالعلوم دیو بند بلکہ عام مسلمانوں کے لیے خطرناک تصور کیا اور اپنے خیالات کے مطابق ضروری سمجھا کہ مولانا سندھیؒ کا تعلق اس مرکز سے نہ رہے۔ اسی زمانہ میں اتفاق سے چند علمی مسائل میں مولانا سندھیؒ اور دارالعلوم کے دوسرے علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، اسی اختلاف کو وجہ قرار

دے کر مولانا سندھیؒ کو دارالعلوم سے علیحدہ کر دیا گیا(۳۵) چنانچہ روٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔(۳۶) اس اختلاف نے اگرچہ دارالعلوم کے اساتذہ، ملازمین اور عام طلبہ کو حضرت مولانا سندھیؒ سے بہت زیادہ بعید کر دیا تھا(۳۷) لیکن شیخ الہند سے تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ خفیہ آمدورفت جاری رہی، رات کی اندھیری میں دیوبند کے باہر ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ضروری باتیں انجام دی جاتیں تھیں۔(۳۸)

نظارۃ المعارف دہلی اور شیخ الہند (۱۹۱۳)

برٹش رپورٹ کے جس حصے پر بات ہو رہی ہے اس کا آخری جملہ ہے جلد ہی اس ادارہ کا خاتمہ ہو گیا، یہ ادارہ ختم نہیں ہوا بلکہ مولانا مدنی کے تحفظات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ادارہ دہلی منتقل ہو گیا اور شیخ الہند کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کی وجہ سے اب جمعیۃ الانصار کی بجائے نظارۃ المعارف دہلی کے نام سے کام شروع کیا۔ نام کی اس تبدیلی سے بظاہر کئی حکم واسرار تھے مثلاً یہ کہ دیوبند کی نسبت کی جگہ اب دہلی کی نسبت اختیار کر لی گئی، خود مولانا سندھی نے اپنے احوال میں لکھا ہے:

حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح پر شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رہ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا اور ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔(۳۹)

شیخ الہند کی تحریک کا مرکز اب دیوبند سے دہلی منتقل ہو گیا تھا۔ بظاہر یوں ہی لگتا ہے کہ اکابرین دارالعلوم نے مدرسہ کی تحفظ و بقا ایسا کرنا ضروری سمجھا ہو گا لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں بانی تحریک کے پیش نظر بہت سی سیاسی اور انتظامی مصلحتیں موجود تھیں۔ تحریک کی مقامی اور بین الاقوامی قیادت کے لیے ایک رابطہ مرکز کی بھی ضرورت تھی۔ نیز آپ کی نظر میں دہلی میں بیٹھے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد بھی بہت ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے بڑی کامیابی سے اپنی سیاسی فکروں کو اس گروہ میں منتقل کر دیا اور اب وہ شیخ الہند کی تحریک میں برابری کی سطح پر شامل تھے۔ مولانا سندھیؒ نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے: جب میں دہلی آیا تو مسیح الملک (حکیم اجمل خان) کی سرپرستی میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی تو اس میں نواب وقار اور حضرت شیخ الہندؒ دونوں ایک درجہ پر شریک تھے،(۴۰) رہی بات رابطہ مرکز کی تو اس کی شہادت ریشمی خطوط

کی ڈائریکٹری کی ایک رپورٹ میں ملتی ہے۔ لکھا ہے: ......بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی [۴۱] اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف میں (بطور نائب ناظم) اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔ [۴۲]

شیخ الہندؒ اور مولانا سندھیؒ اپنے اپنے راستے پر

دہلی میں مولانا سندھیؒ نے دو سال کام کیا [۴۳] اس کے بعد شیخ الہندؒ نے آپ کو افغانستان جانے کا حکم دیا۔ ایک روایت کے مطابق مولانا سندھیؒ نے اس کی وجہ بھی جاننی چاہیے۔ مولانا سندھیؒ کی ڈائری کے مرتب لکھتے ہیں کہ: میرے عزیز مولوی عبدالسبوح صاحب (فاضل دیوبند) کی روایت ہے کہ مولانا سندھی نے خود ایک مجلس میں بتایا کہ ایک دن مجھے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا عبیداللہ، افغانستان چلو، میں نے پوچھا حضرت کیوں؟ اس پر حضرت شیخ خاموش ہو گئے اور زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ دوسرے دن پھر حضرت نے فرمایا کہ عبیداللہ افغانستان چلو۔ میں نے پھر پوچھا حضرت کیوں؟ اس پر خاموش تو ہوئے لیکن چہرے سے ناراضگی کے آثار ہی نمایاں تھے۔ اب میں بڑا پریشان ہوا اور دعائیں مانگنے لگا کہ حضرت ایک دوعہ پھر مجھے حکم دیں اور میں بلا چون و چراں تسلیم کرلوں۔ خوش قسمتی سے تیسرے دن حضرت نے پھر فرمایا عبیداللہ افغانستان چلو، میں بڑا مسرور رہوا اور تعمیل حکم کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ [۴۴]

مولانا کے اپنے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لکھا ہے مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا۔ اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن فیملی کے لیے جانا ضروری تھا۔ [۴۵] چنانچہ آپ براستہ بلوچستان ۱۵/اگست ۱۹۱۵ کو افغانستان میں داخل ہو گئے اور پھر کابل پہنچ کر اپنا کام شروع کر دیا۔ [۴۶] اس کے بعد اپنے مرشد شیخ مولانا محمود حسن سے ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ شیخ الہند ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء کو اپنے مرید ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی واقع دہلی میں وفات پا چکے تھے، جب کہ مولانا سندھی جب پچیس سال کی جلاوطنی گزارنے کے بعد ہندوستان کے ساحل پر اترے تو مارچ 1939 کا سن سامنے کھڑا تھا۔ یوں تحریک آزادی ہند کے یہ دو عظیم رہنما اگست 1915 کے بعد اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں ہوئے۔ مولانا سندھیؒ کابل، روس، ترکی، مجاز میں مستعول رہے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن یہ تحریک آزادی ہند کے یہ دو عظیم رہنما اگست 1905 میں اپنے اپنے فکری و عملی محاذوں پر روانہ ہو گئے۔ مولانا سندھی کابل، روس، ترکی اور پھر حجاز میں مصروف عمل رہے اور مولانا حجاز اور پھر وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا پہنچے۔ ہر دو رہنماؤں کی اس سیاسی جدوجہد کا مقصد ہندوستان سے سامراج کی حکومت کو ختم کرتا تھا اور اس مقصد کیلئے عالم اسلام کو متحد کرنا اور اسکو ہندوستان کے عوام کی اخلاقی اور سیاسی مدد کرنے کیلئے قائل اور آمادہ کرتا تھا۔

شیخ الہند کی تحریک تحریک ریشمی مال

اس مقصد کے لیے مولانا محمود حسن اور ان کے رفقاء نے آزادی وحریت کے لیے جو سیاسی تاریخ رقم کی اس کو ہی مجموعی طور شیخ الہندؒ کی تحریک کہا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر اس کو ''تحریک ریشمی رومال'' بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی سرکار کی زبان میں اس کو ریشمی خطوط سازش کیس (Silk letter conspiracy) سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اصل میں انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ ہے۔ رپورٹ خود اس نام کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے: زیرنظر کیس کو ہم اپنی آسان کے لیے ریشمی خطوط کا کیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تین خطوط کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی ہے جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کے لیے روانہ کیے تھے۔[۴۷-۴۸] اسی رپورٹ میں ان خطوط کی یہ تفصیل بھی درج ہے۔ یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر میں ان میں پہلا خط عبدالرحیم کے نام ہے، یہ ٹکڑا چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا ہے۔ دوسرا خط مولانا (محمود حسن) کے نام ہے، دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔ تیسرا خط بظاہر پہلے خط ہی کے تسلسل ہیں، پندرہ انچ لمبا اور دس انچ چوڑا ہے۔[۴۹] اس رپورٹ میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ خط مولانا عبداللہ سندھیؒ نے کابل سے مولانا محمود حسن کے نام لکھا جو ان دنوں حجاز کے مشن پر تھے۔ رپورٹ نے اس خط کا خلاصہ بھی نقل کیا ہے۔[۵۰] جس کا حاصل ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ: حکومت موقتہ [۵۱] نے افغانستان سے عہد نامہ کرلیا ہے، باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارشیں بھیجی جارہی ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت ترکیہ سے بھی ربط وضبط پیدا کرنا منظور ہے۔ آخر میں حضرت موصوف (مولانا محمود حسن) سے درخواست کی گئی ہے کہ ربط وضبط پیدا کرنے اور معاہدہ کرانے میں امداد دیں[۵۲] (جاری ہے)

حواشی

۲۴: تاریخ دارالعلوم دیوبند، 221/1۔ ۲۵: علمائے ہند کا شاندار ماضی، 122/1۔

۲۶: نقش حیات، 561/2۔ ۲۷: دیکھئے سفرنامہ، اسیر مالٹا، ص 79,78۔

۲۸ دیکھئے، نقش حیات، 561/2۔ ۲۹ مولانا عبید اللہ سندھی اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری تھے لیکن چونکہ تنظیم کا ریکارڈ، اجلاس کا انعقاد وغیرہ سیکرٹری کی ذمہ داری ہوتی ہے اس عام اس عہدہ کی اہمتی کے پیش یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تنظیم ان کی نظامت میں قائم ہوئی۔ تنظیم کے بانی اور صدر شیخ الہند ہی تھے جو مولانا سندھی کے دینی اور سیاسی قائد بھی تھے اس تنظیم کے قیام اور بانی وغیرہ کے بارے میں تاریخی روایات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً سورج دیو بند سید محبوب رضوی نے لکھا ہے کہ یہ مولانا سندھی کی تحریک پر قائم کی گئی۔ حالانکہ ان کو شیخ الہند نے سندھ سے بلایا تھا جیسا کہ انہوں ں نے خود اپنی ڈائری میں لکھا ہے تو اس سلسلہ میں کسی اختلاف کا مثل ہونا قابل ذکر امیر نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اس مجلس منتظمہ کی تعداد نو تھی۔ جن میں مولانا انور شاہ کشمیری، حسین الامدنی، سید اصغر حسین، علامہ شبیر احمد عثمانی کے علاوہ عبید اللہ سندھی بھی تھے۔ جو رپورٹ کے مطابق ناظم جمیعۃ الانصار تھے وہ تمام تفصیلات اس دائری کی تصدیق کرتی ہیں۔ (حیات عثمانی، ص 102) یہاں جن مقاصد کا ذکر ہوا ہے۔ ۳۰: مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے موثر

الانصار مرادآباد وغیرہ کی جو رپورٹ مرتب کی تھی ان سے اس ڈائری کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ پروفیسر شیر کوٹی نے حیات عثمانی میں اس کی کافی تفصیل جمع کر دی ہے۔ (مقالہ نگار)

۳۱: ایک دوسری جگہ پر ان حضرات میں چندہ ایک کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً انیس احمد بی اے، خواجہ عبدالحیٔ اور قاضی ضیا الدین بی اے کو مدرسہ میں داخل کیا ان پر سیاسی رنگ چڑھا ہوا تھا ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اعتدال پسند مسلم مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ (ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ، مشمولہ تحریک شیخ الہند، ص 261) ۳۲: اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ الہند کے ایما پر دارالعلوم دیو بند میں حلال احمد کی شاخ قائم کی گئی اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ استانبول بھجوایا۔) حیات شیخ الہند، ص ۲۰۴۔

۳۳: شیخ الہند نے ترک موالات کا فتویٰ دیا تھا جس مولانا شبیر احمد عثمانی مرتب کردہ تھا۔ (حیات عثمانی، ص ۲۰۴)

۳۴: برٹش رپورٹ میں اسی کو استعفٰی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (مقالہ نگار)

۳۵: مولانا مدنی روٹ کمیٹی کی رپورٹ کے جس حصہ کا ذکر رک رہے ہیں وہ ان سطور پر مشتمل ہے: عبید اللہ چاہتا تھا کہ دیو بند کے مشہور معروف فارغ التحصیل مولویوں کے ذریعہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی (پان اسلامک) تحریک چلائے۔ مگر مہتمم اور ارباب شوریٰ نے اس کو اس کے چند وابستگان کو نکال کر اس کی تجویز کو درمیان میں ہی ختم کر دیا۔ (روٹ کمیٹی کی رپورٹ اور مولانا عبید اللہ سندھی، شمولہ ذاتی ڈائرہ، ص ۴۲)

۳۶: اس کے بعد کی وضاحت میں مولانا مدنی نے یہ حاشیہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے مولانا سندھیؒ کے نام مکہ معظّمہ کے قیام کے زمانہ میں پیغام بھیجا تھا کہ قیام دیو بند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنا۔ اب میرے دل میں آپ سے کوئی رنجش نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔ (نقش حیات، ص ۵۰۱)

۳۷ نقش حیات، ص 562۔ ۳۸ استغاثہ مقدمہ ریشمی خطوط کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنظیم یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں قائم کی گئی تھی۔ (استغاثہ بشمولہ تحریک شیخ الہند، ص ۲۴۸) ۳۹: ذاتی ڈائری، ص ۲۶۔۲۷

۴۰: ذاتی ڈائری، ص 67۔ ۴۱۔۴۲: مولانا احمد علی مولانا سندھیؒ کے شاگردوں میں سے تھے، تحریک میں رابطہ آفسر کے طور پر کام کیا، مقدمہ ریشمی رومال کے استغاثہ میں ان کا نام بھی شامل تھا، گرفتار ہوئے بعدازاں ضمانت پر مارچ ۱۹۱۷ء میں رہا ہوئے۔ (ریشمی خطوط کی ڈائریکٹری، مشمولہ تحریک شیخ الہند، ص ۳۹۱)

۴۳: ذاتی ڈائری، ص ۲۶۔ ۴۴: مولانا محمد عبدالقدوس قاسمی، مقدمہ ذاتی ڈائری۔ ص ۱۴۔

۴۵: ذاتی ڈائری، ص ۲۷ ۴۶: مولانا سندھیؒ نے لکھا ہے کہ اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں دہلی سے سندھ چلا آیا اور یہاں سے بلوچستان ہوتا ہوا افغانستان پہنچا، ۱۵ اگست کی نماز مغرب سرحد افغانستان میں پڑھی۔ (ذاتی ڈائری، ص ۴۹)

۴۷: دیکھئے! ریشمی خطوط سازش کہیں رپورٹ جس مین سارا کیس مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ رپورٹ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ ہے۔ ریکارڈ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے یہ صرف ایک سو پچیس صفحات کا ترجمہ ہے جن سے تحریک کی تاریخ کے بارے میں معلومات مرتب ہوتی ہیں۔

۴۸: تحریک شیخ الہند: (ص ۱۶۶۔۱۴۴) ۴۹: ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ، مشمولہ تحریک شیخ الہند، ص ۲۳۰

۵۰: ریشمی خطوط سازش کیس، مشمولہ تحریک شیخ الہند، ص ۱۸۲

۵۱: ایضاً، ص ۱۶۷ اس خط میں مولانا سندھی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی ہے، حکومت موقتہ ھندیہ کے ارکان کے علاوہ جنود ربانیہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، خط کا خلاصہ اور اس پر تبصرہ کے لیے رپورٹ ھذا کے ۱۶۷ تا ۱۷۱ صفحات کا مطالعہ کیا جائے۔

۵۲: یہ ایک عارضی حکومت تھی جس کی حیثیت ایک فرضی حکومت سے زیادہ نہ تھی۔ مولانا سندھی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ راجہ مہندر پرتاب اور مولانا برکت اللہ نے مل کر حکومت موقتہ ھند کی بنیاد ڈالی جس میں بعض جرمن اور ترک میں شامل ہوئے۔ (ذاتی ڈائری، ص ۷۷ تا ۸۲ ؛ نقش حیات، ۲/۵۸۰)

(چوتھی قسط)

مولانا راشد الحق سمیع
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الحق''

سفرنامہ انڈونیشیا

انڈونیشین کی حکومت کی دعوت پر پاکستانی علماء، دانشوروں کا دورہ

بندونگ شہر کو انڈونیشیا کا پیرس بھی کہا جاتا ہے،اسلئے کہ یہاں پر لوکل اور انٹرنیشنل فیشن وملبوسات سے متعلقہ عالمی برانڈز کی کثرت پائی جاتی ہے ، بندونگ کو مقامی لوگ فیشن کی ''جنت'' بھی کہتے ہیں۔اسکے علاوہ یہاں پر پرتعیش ہوٹلز ،کافی ہاؤسز اور کپڑوں کی بوتیک وغیرہ کثیر تعداد میں ہیں، ان تمام خصوصیات کی بناء پر بندونگ شہر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے ۔ یہاں شام کے وقت گہما گہمی ،خریداروں اور گاہکوں کے باعث کافی ہلچل دکھائی دے رہی تھی۔اتنے میں حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب ہمیں راستے میں ملے جو رات کا کھانے کیلئے ''براگا سٹریٹ'' تشریف لائے ،میں نے انکا ساتھ دیا اور ریسٹورنٹ میں مختلف موضوعات پر گپ شپ کی ۔حضرت مولانا محمد طیب صاحب مرنجان مرنج شخصیت کے مالک ہیں، جہاں بیٹھتے ہیں مجلس کو خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ ہر عمر اور ہر مزاج کے لوگوں سے اُنکی طبیعت کے موافق بات چیت کرتے ہیں لیکن انکی تمام باتوں ولطائف میں علمیت و مقصدیت جھلکتی ہے اور انسان کو بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا ان کے بڑے بھائی محترم میجر عامر صاحب اور مولانا محمد طیب صاحب دونوں کیساتھ برادرانہ و دوستانہ تعلق تھا۔اب بھی ان حضرات نے ہمارے ساتھ محبت وشفقت کا تعلق حسب سابق قائم رکھا ہوا ہے، دارالعلوم حقانیہ اور پنج پیر کے علمی مرکز ''دارالقرآن'' کا کئی امور میں ایک دوسرے کیساتھ روابط مضبوط ہیں۔

رات کے کھانے کے بعد ہم لوگ ہوٹل واپس ہوئے ،دن بھر کے سفر ،مختلف مقامات کے دورے اور تھکاوٹ سے اپنا برا حال تھا،سوتے ہی نیند کی وادیوں میں ایسا اترا کہ پھر موذن کی اذان سے الحمدللہ آنکھ کھلی ۔کچھ دیر توقف کے بعد صبح کی نماز پڑھی ، میرا کمرہ ہوٹل کے پندرہویں فلور پر تھا، جس کی کھڑکی اور چھت سے پورا شہر صاف دکھائی دے رہا تھا۔شہر کی ایک جانب پہاڑی سلسلہ ہے اور باقی تمام شہر میدانی علاقے میں ہے، ہر طرف سبزے اور درختوں نے شہر کو خوبصورتی کا ایک حسین مخملی پیراہن پہنایا ہوا تھا۔صبح کے مبارک اوقات میں تجلیات ، برکات اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے،

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ''بیشک صبح (یعنی مراد صبح کی نماز اور وقت ہے) کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں'' سونے پہ سہاگہ ٹھنڈک، شبنم کے قطرے، تازگی، پرندوں کی چہچہاہٹ، انسانی مزاج کی شگفتگی کا باعث بنتے ہیں۔ الحمدللہ! کہ اللہ تعالیٰ نے خوابِ گراں اور خوابِ گراں سے راقم کو بیدار ہونے اور ذوقِ سحر خیزی یعنی صبح کی نماز پڑھنے کی عادت اور اس کے بعد کے اوقات میں بیدار رہنے کی توفیق بخشی ہے، اس نعمت کے حصول پر جتنا بھی رب کا شکرادا کروں وہ کم ہے۔ گھر میں میرے سرہانے ایک کھڑکی چمن کی طرف کھلتی ہے، اس کے قریب ہی میں نے لیموں کا ایک خوبصورت درخت لگایا ہوا ہے، جس میں طلوع آفتاب کے ساتھ ہی درجنوں چڑیاں و پرندے آکر بیٹھ جاتے ہیں، انکے چہچہانے اور اذانوں سے میرا چمن، خوابگاہ بلکہ محراب جاں تک گونج اٹھتی ہے۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

تو بندونگ کی صبحِ خندہ بھی جلوہ گاہ حسن جاناں کا منظر پیش کررہی تھی۔ اس جاں بخش اور رنگین صبح کی فضاء کا کیا کہنے وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ''قسم ہے صبح کی جب وہ گہری سانس لے'' وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ''اور صبح وشام اپنے رب کا نام یاد کرو''

گردوں پہ جگمگاہٹ کھیتوں میں لہلاہٹ
چڑیوں کی چہچہاہٹ کلیوں کی مسکراہٹ

اسی طرح غروب آفتاب کا طلسماتی وقت ہو اور شفق کے رنگوں کی قوس وقزح ہو تو ان لمحات کے دوران مَیں خیالوں کی بزم اور یادوں کی بارات دل و دماغ میں سجالیتا ہوں، اس وقت نگارخانہ ہستی کے کیسے کیسے دل فریب وخوش کن مناظر فطرت سامنے آتے رہتے ہیں۔ مَیں خود بھی سورج کے ہمراہ ان حسین نظاروں میں افق کی وسعتوں اور رنگینیوں میں ڈوب جاتا ہوں۔ اس خوبصورت وقت پر تو خالق کائنات نے بھی قسم کھائی ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ''تو مجھے شام کے اجالے کی قسم ہے۔'' اُفق اور فضاؤں میں یوں گھورنے پر مجھے کبھی کبھی میرے ہمنشیں ساتھی اور دوست پوچھتے ہیں کہ تم کیا فلسفیوں کی طرح آسمانوں میں گھورتے ہو؟ اُن کورمغز وکورنظر لوگوں کو کیا معلوم کہ خیمہ شب وافلاک میں کیا کیا عیاں و پنہاں ہے اور لال، دھانی، سرمئی، سبز گلابی شام کے آنچل میں آنے والی شب، ماہ اور تارے کیا قیامت ڈھارہے ہیں، اسی طرح سمندر اور دریا پر ڈوبتے سورج کی لالی بھی کیا ظالم شوخی بکھیرتی ہے۔

چراغ چاند شفق شام پھول جھیل صبا
چرائیں سب نے ہی کچھ کچھ شباہتیں تیری

طلوع وغروب آفتاب کے مناظر سے بہتر روح پرور، جاں فزاء اور نشاط انگیز لمحات انسان کو مل ہی نہیں سکتے، قدرت کے مظاہر، اُس کی بے مثل صناعی اور اس کی تخلیق ورنگا رنگ مصوری سے انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ''اور سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو''

المختصر بندونگ شہر کی صبحیں اور شامیں مجھے بہت پسند آئیں۔

تمہارے شہر کا موسم بڑا سہانا لگے
میں ایک شام چرا لوں تمہیں برا نہ لگے

بندونگ شہر

بندونگ شہر انڈونیشیا میں صوبہ مغربی جاوا کا صدر مقام ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار تین سوفٹ کی بلندی پر واقع ہے، یہ شہر انڈونیشیا میں اعلیٰ تعلیمی مراکز کے حوالے سے بھی معروف ہے،اس میں ملکی و بین الاقوامی معیار کی متعدد یونیورسٹیاں بھی ہیں۔ بندونگ فیشن، سیاحت اور معیشت کے علاوہ تعلیمی لحاظ سے بھی انڈونیشیا میں نمایاں ہے، ہمارے دورہ میں منتظمین سے اس بات کی کمی رہ گئی تھی کہ انہوں نے بندونگ شہر میں کسی یونیورسٹی، کالج، مدرسہ یا لائبریری کا وزٹ نہیں رکھا حالانکہ جکارتہ میں تو سارا زور تعلیمی اداروں کے دیکھنے پر تھا اگر بندونگ شہر میں بھی اس حوالے سے وفد کے لئے ارینجمنٹ ہو جاتی تو سفر زیادہ کارآمد ہوتا۔ بہرحال یہ امر انتہائی خوش آئند ہے کہ یہ عظیم شہر فن وثقافت سے زیادہ تعلیمی اعتبار سے بھی ممتاز ہے۔ بندونگ کی کل آبادی ۲۰۰۷ء کی مردم شماری کے مطابق 4.7 ملین ہے۔اسے پھولوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے، یہ انڈونیشیا کا سابقہ دارالخلافہ بھی رہ چکا ہے، یہ مغربی جاوا کا صوبہ ہے، اسے سمارٹ سٹی بھی کہا جاتا ہے۔ مجھے بندونگ شہر جکارتہ سے بھی زیادہ اچھا لگا، یہ بہت کھلا وسیع سرسبز وشاداب اور پہاڑوں کے نزدیک بنایا گیا ہے۔

بندونگ شہر میں آج ۳ / دسمبر کو ہمارا دوسرا دن تھا، صبح تیاری کے بعد ہم لوگ بندونگ شہر کے ہی ایک حصے ''باباکان سیپارے ولیج آف ریلیجئس موڈریشن'' میں گئے جو گاؤں کی طرز پر بنا تھا، یہاں پر شہر کی مختلف کمیونٹیز اور مذاہب سے وابستہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ جب ہم پہنچے تو مقامی

لوگوں نے ہمارا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا،شہر کی انتظامیہ اور میئر وغیرہ نے اپنے استقبالیہ کلمات میں مہمانوں کی آمد پر شکریہ ادا کیا اور شہر کی تاریخی اور موجودہ انتظام وانصرام کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا، یہاں پر مقامی مسلمانوں کے علاوہ ہندو،عیسائی، بدھسٹ اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی اس موقع پر اظہار خیال کیا اور انڈونیشین حکومت کی دیگر مذاہب اور فرقوں کے ساتھ اچھے رویے اور مساویانہ حقوق دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ یہ تقریب کافی دیر تک جاری رہی،تقریب کے اختتام پر ہم لوگوں کو مقامی ریسٹورنٹ میں ظہرانے کے لئے لے جایا گیا، یہ ریسٹورنٹ انتہائی خوبصورت اور قدرتی ماحول میں بنایا گیا تھا،اس کے ماحول کو لکڑی، بانس ، پودوں اور فواروں سے بہت دلکش بنایا گیا تھا۔ ہماری مختلف انواع واقسام سے مقامی کھانوں سے تواضع کی گئی، مقامی فروٹس اور ناریل کا پانی بھی پیش کیا گیا،انڈونیشین مقامی پھل ''دوریان'' (Duryaan) جو ذائقے اور لذت میں بہت منفرد ہوتا ہے، یہ پھل انڈونیشیا ، ملائیشیا ،تھائی لینڈ ،سنگاپور وغیرہ ہی میں اُگتا ہے، مجھ سے مولانا نعمان صاحب نے اس کی بڑی تعریفیں کی تھیں اورانہوں نے ہی مجھے اس کا خوب اشتیاق دلایا لہٰذا آپ مجھے خصوصی طور پر اپنے مقامی فضلاء کے ہمراہ اس کو کھلانے کیلئے عشاء کے وقت دوریان کی دکان پر لے گئے، جہاں یہ قیمتی پھل بڑے پروٹوکول کے ساتھ سجائے گئے تھے۔دکان کے باہراور اندر اس کیلئے خصوصی نشست گاہیں بنائی گئی تھیں،مقامی لوگ اس کو کھانے کیلئے دکان پر ہی زیادہ تر آتے ہیں، یہ پھل طاقتور غذائی مواد پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ پھل مستطیل نما ہوتا ہے،اس کی باہر کی جلد سخت اور خاردار ہوتی ہے لیکن اندر سے اس کا گودا آم کی طرح نرم اور ذائقے میں بادام اور مکھن کی طرح ہوتا ہے لیکن اس کی ایک مخصوص و ناگوار بدبو بھی ہوتی ہے اسلئے بعض لوگ اس کو ناپسند بھی کرتے ہیں، یہ پھل دوسرے پھلوں کی نسبت کافی مہنگا ہوتا ہے۔اس پھل کو میں نے زندگی میں پہلی دفعہ یہاں کھایا اور اپنے ساتھ برادرم مولانا اسرار صاحب و دیگر ساتھیوں کی طلب پر ہوٹل بھی لے آیا۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی　　　اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

تقریب وظہرانے کے بعد ہم لوگ ہوٹل واپس پہنچے۔شام کو دوبارہ ہم لوگ شہر کی تفریح کے لئے باہر نکلے،مقامی علماء اور شہر کے لوگوں سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔مغرب کی نماز کے بعد اسرار صاحب کے ساتھ دوبارہ براگا کے ایک معروف ''کافی ہاؤس'' میں کافی پینے کے لئے گئے، مجتبیٰ صاحب بھی ہمراہ تھے،یہ کافی ہاؤس بڑا وسیع ،خوبصورت اور ایلیٹ کلاس کے لئے بنایا گیا تھا، اندر ساری فضاء کافی کی بھینی بھینی خوشبو سے مہکی ہوئی تھی، مجھے کافی پینے سے زیادہ اس کی مہک میں ڈوبی

ہوئی فضا، خوشبو اور اُڑتی بھاپ بھلی لگتی ہے، گلِ نرگس، موتیا، رات کی رانی اور گلاب کی خوشبوؤں کے علاوہ بھی مجھے کئی چیزوں کی خوشبوئیں پسند ہیں ان میں کافی چائے، بارش کے بعد گیلی زمین کی خوشبو، پرانی کتابوں، کاغذوں اور سیاہی سے اٹھتی ہوئی خوشبوئیں بھی مجھے پسند ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ ذوق کی کون سی منزل ہے؟ کچھ لوگ تو ہم پر بدذوق اور مجنوں کی پھبتی بھی کستے ہیں کہ یہ تم نے کیسے کیسے شوق پال رکھے ہیں؟ بہرحال! ہم نے تین کافیوں کا آرڈر دیا، انڈونیشین کافیوں کا تو جواب نہیں۔

یہ ریسٹورنٹ اپنی جدت اور خوبصورتی میں بے مثال تھا (اسلام آباد، پشاور میں اس معیار کے کافی ہاؤسز نہیں ہیں) کافی پیتے ہوئے ہم کافی دیر تک انڈونیشین تہذیب وتمدن اور اس کی حیرت انگیز ترقی پر تبادلہ خیال کرتے رہے اور ساتھ ساتھ کافی کے تلخ و شیریں گھونٹ بھی نوش کرتے رہے، انڈونیشین کافیوں اور چائے کا الگ ہی ذائقہ ہے۔ ہمارے کے پی کے اور پاکستان میں کافی پینے کا رواج انتہائی کم ہے اور یار لوگ کافی جیسی بڑی نعمت کے ایک دو گھونٹ پی کر اسے دھتکار دیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی پینے کی چیز ہے؟ اب ان بدذوقوں کو کوئی کیا سمجھائے۔

لذت مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

کافی کی تلخی، تندی اور کڑواہٹ ہی میں اصل شیرینی چھپی ہوتی ہے، ہم کافی لورز کو تو ہر طرح کی مٹھاس چاہیے چاہے مصری، شہد ہو یا چینی، گڑ وغیرہ ہو یا قند ونبات۔ یہ سب ''گنجِ شیریں'' کافی کے تلخ گھونٹوں پر نچھاور ہے، اسلام آباد میں بھی ''بٹلر کیفے ہاؤس'' مجھے پسند ہے کیونکہ اس میں کافی کی ورائٹی اور کوالٹی لاجواب ہوتی ہے، مجھے کافی میں کپی چینو (Cappuccino) ذاتی طور پر پسند ہے۔ اس کے علاوہ کافی کی دیگر اقسام میں لاٹے، امریکینو، ایسپریسو، Macchiato، موکا، ریسٹریٹو، فلیٹ وائٹ، آئرلش کافی شامل ہیں۔

انڈونیشیا چائے اور کافی کے حوالے سے بھی بہت شہرت رکھتا ہے، اس کی سبز چائے، کالی چائے اور کافی کی اقسام جہاں بھر میں معروف ہیں، دنیا کی سب سے مہنگی کافی (civet coffee) وہاں کی ایک مخصوص جنگلی بلی کوپی لواک (Kopi Luwak) کے فضلے سے بنائی جاتی ہے، اس جنگلی بلی کو پہلے کافی بین کھلائے جاتے ہیں پھر اسے خشک، صاف اور پراسیس کر کے ایک لاکھ اسی ہزار روپے کلو تک اس کو فروخت کیا جاتا ہے۔ میں اور اسرار صاحب کافی کے باغ میں گئے، وہاں اس کے

پودے دیکھے (کافی ایک پھل ہے جو کہ جھاڑی نما پودے میں اُگتا ہے جس کو کسان پانچ فٹ تک رکھتے ہیں تاکہ انہیں اسے توڑنے میں آسانی ہو، اس پودے کی عمر تیس سے چالیس سال تک ہوتی ہے) اور خصوصاً وہ بلی بھی دیکھی جس کو کافی بین کھلائے جاتے ہیں اور پھر انہیں پراسیس کر کے بیچا جاتا ہے، معلوم نہیں کہ کون سے بدذوق اسے اتنا مہنگا خرید کر پیتے ہوں گے، ہمیں تو کوئی مفت بھی یا پیسے دے کر بھی پلائے تو ہم یہ زہر نہ پیئں اور نہ اس کے قریب بھٹکیں۔ انسان بھی کیا عجیب مخلوق ہے، پینے پہ آئے تو گائے کا پیشاب بھی پیتا ہے، تلخ اور بدبودار شراب اور اسپرٹ بھی پیتا ہے اور اس طرح فضلے و پاخانے بھی اب کافی کے نام پر فروخت ہو رہے ہیں اور یار لوگ اسٹیٹس اور دکھلاوے کے طور پر دھڑا دھڑا سے خرید کر پی رہے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

آج کل مہ خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر
زہر کے ساغر شرابِ زندگی کے نام سے

کافی کی تاریخ اور اقسام

''اصل میں کافی بھی عربوں کی دریافت ہے اور اسی طرح الکوحل بھی۔ آج بھی کافی کے سب سے اعلیٰ دانوں کو ''عربیکا'' کہا جاتا ہے، کافی لاطینی امریکہ، صحارا افریقہ، ویت نام اور انڈونیشیا جیسے گرم خطوں میں پیدا ہوتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کافی امریکہ کی پیداوار ہے کیوں کہ چاکلیٹ اور تمباکو کی طرح کافی بھی یورپ میں سولہویں اور سترہویں صدی میں مقبول ہوئی تھی۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ایتھوپیا کے ایک چرواہے نے سب سے پہلے کافی کے جنگلی پودوں سے کافی کشید کر کے پی تھی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے کافی یمن میں اگائی گئی۔ یمنیوں ہی نے اسے عربی نام ''قہوہ'' دیا، جو بعد میں بگڑ کر انگریزی میں کافی اور فرانسیسی میں کیفے بن گیا۔ لفظ قہوہ کا اصل مطلب شراب تھا، اور صوفی درویش اسے ذکرِ الٰہی کرتے وقت توجہ مرکوز رکھنے اور روحانی سرور حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ ۱۴۱۴ء تک کافی مکہ پہنچی اور سولہویں صدی کی ابتدا میں یمن کی بندرگاہ ''المخا'' سے ہو کر مصر تک پھیل گئی۔ اُس وقت بھی کافی صوفیوں کا مشروب تھا۔ قاہرہ میں جامعۃ الازہر کے اردگرد کئی کافی خانے کھل گئے۔ اس کے بعد کافی شامی شہر حلب میں داخل ہوئی اور وہاں سے کچھ ہی عرصے بعد پندرہویں صدی میں وسیع و عریض عثمانی سلطنت کے دارالخلافہ قسطنطنیہ (حالیہ استنبول) میں مقبول ہوگئی۔ مکہ، قاہرہ اور استنبول میں مذہبی حکام نے کافی پر پابندی لگانے کے

کوشش کی۔ علماء نے اس بات پر بحث شروع کر دی کہ آیا کافی کے اثرات الکوحل کی طرح نشہ آور ہیں یا نہیں؟ بعض شیوخ نے کہا کہ کافی خانوں میں کافی کی بھری ہوئی صراحی شراب کے ساغر کی طرح محفل میں گردش کرتی ہے۔کافی خانے ایک ''علمی مجلس و محفل'' کے طور پر ابھرے جہاں لوگ مل بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے تھے، شعراء سے ان کا تازہ کلام سنتے تھے اور شطرنج کھیلتے تھے۔ جلد ہی کافی خانے علمی زندگی کا محور بن گئے اور انہیں اس معاملے میں مسجد کا حریف سمجھا جانے لگا۔بعض علماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ کافی شراب سے بھی بدتر ہے اور حکام کو تشویش لاحق ہوگئی کہ کافی خانوں میں حکومت کے خلاف بغاوت کی سازشیں تیار کی جاسکتی ہیں۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ عثمانی سلطان مراد چہارم کے دور سولہویں صدی میں کافی پینے کی سزا موت مقرر کر دی گئی لیکن اس کے باوجود کافی پینے کی عادت کو ختم نہیں کیا جا سکا۔رفتہ رفتہ مذہبی رہنما بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ کافی پینا جائز ہے، کافی عثمانی سلطنت سے اور یمن کی بندرگاہ ''المخا'' سے یورپ پہنچی۔ برطانوی اور ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنیوں نے سترہویں صدی کی ابتدا میں ''المخا'' سے بڑے پیمانے پر کافی خریدنا شروع کر دی۔ دوسری طرف کافی کی تجارت بحیرۂ روم سے بھی شروع ہوگئی۔ جب ترک فوجوں نے یورپ پر چڑھائی کی تو وہ اپنے ساتھ کافی بھی لے گئے۔ یورپ میں بھی مشرقِ وسطیٰ کی طرح کافی خانے گپ شپ اور کھیل کے مرکز بن گئے۔ لفظ کیفے نہ صرف مشروب بلکہ کافی خانے کو بھی کہا جانے لگا،مشرق کی طرح یورپ میں بھی حکام نے کافی خانوں کو شک کی نظر سے دیکھا۔ 1675 میں برطانیہ کے بادشاہ چارلز ثانی نے یہ کہہ کر کافی خانوں کی مذمت کی کہ یہ منحرف لوگوں کے مل بیٹھنے کی جگہیں ہیں جہاں سے بادشاہ اور اس کے وزیروں کے خلاف شرانگیز افواہیں پھیلتی ہیں۔اس کے علاوہ یورپ میں کافی پر ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا تھا کہ یہ مسلم مشروب ہے لیکن 1600 کے لگ بھگ پوپ کلیمنٹ ہشتم نے کافی کا ایک پیالہ پیا تو انھیں اتنا لطف آیا کہ انھوں نے کہا اس قدر عمدہ مشروب پر مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں ہونی چاہیے اور اسے بتسمہ دے کر عیسائی بنا دینا چاہیے۔جب 1683 میں ترک ویانا کا محاصرہ ختم کر کے پسپا ہو گئے تو پیچھے کافی کا بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے جسے ویانا کے باسیوں نے فوراً قبضے میں لے لیا۔شاید یہی وجہ ہے کہ ویانا میں آج بھی کافی ترکی انداز میں پی جاتی ہے۔تاہم عرب دنیا میں کافی مختلف انداز میں پی جاتی ہے۔عربوں کی کافی خاصی تلخ ہوتی ہے اور بعض اوقات اس میں الائچی اور دوسرے مسالہ جات شامل کیے جاتے ہیں۔عرب خطے میں رواج ہے کہ مہمان کی آمد کے کچھ دیر بعد اسے کافی پیش کی جاتی ہے۔اگر فوراً ہی کافی دی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ میزبان کو بہت جلدی ہے، البتہ

افسوس کی یہ بات ہے کہ یمن میں کافی کی پیداوار میں کمی آ گئی ہے۔اس کی ایک وجہ تو دوسرے ممالک کی سستی کافی ہے اور دوسرے یہ کہ خود یمن میں کافی کو قط جیسے نشہ آور مشروبات سے سخت مقابلے کا سامنا ہے۔دنیا میں سب سے زیادہ کافی کی پیداوار برازیل میں ہوتی ہے اور یہ فن لینڈ میں سب سے زیادہ پی جاتی ہے۔اسی طرح باقاعدہ کافی ہاؤس استنبول ترکی میں ۱۴۷۵ء میں بنایا گیا تھا۔'' (بحوالہ ویکیپیڈیا)

انڈونیشین پارلیمنٹ

ہم انڈونیشیا کے پارلیمنٹ میں بھی مدعو تھے، ،وفد نماز جمعہ سے پہلے پارلیمنٹ ہاؤس کی بلڈنگ میں پہنچا تو وہاں حکام نے ہمارا استقبال کیا اور مسجد میں مہمانوں کے لئے جگہ پہلے سے مختص کی ہوئی تھی۔وقت مقررہ پر تقریر شروع ہوئی،خطبہ کی اذان شروع ہوئی تو اس قدر خوبصورت اور مترنم آواز تھی کہ ہم لوگ موذن صاحب اس خوش الحانی پر جھوم اٹھے۔تقریر اور خطبہ انڈونیشین زبان میں تھا،امام صاحب نے بھی بہت عمدہ تلاوت کی،نماز کے بعد میں،مولانا نعیم صاحب اور جناب ظفر اللہ خان صاحب وخطیب وامام مسجد سے ملے،ان سے تعارف کرایا تو ان لوگوں نے بہت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا،خطیب صاحب نے میرا تعارف جاننے کے بعد فرط جذبات سے اپنے گلے میں ڈالی ہوئی روایتی چادر میرے گلے میں ڈال دی اور دارالعلوم حقانیہ اور حضرت والد صاحبؒ کے متعلق عقیدت پر مبنی خیالات کا اظہار کیا،مسجد سے ہم لوگ نکلے تو باہر ایک رکن پارلیمنٹ نے فلسطین سے اظہار یکجہتی کے لئے فلسطینی مفلر خود بھی پہنا ہوا تھا اور ہم سب کو بھی پہنایا۔اس کے بعد ہم لوگ پارلیمنٹ داخل ہوئے۔پارلیمنٹ کی عمارت بہت ہی وسیع وعریض اور سرسبز وشاداب علاقے پر محیط ہے۔ہم نے مختصر وزٹ کیا پھر کھانا تیار تھا،یہاں پر انڈونیشین حکام اور جناب اسپیکر صاحب نے بہت شاندار دعوت کا اہتمام کیا تھا۔کھانے کے بعد ہم لوگ کمیٹی روم گئے جہاں دوطرفہ خیالات کا اظہار ہوا اور کئی موضوعات پر شرکاء نے اظہار خیال کیا۔یہاں انڈونیشین گریندرا پارٹی، پارلیمانی کمیٹی برائے دفاع و خارجہ کے رکن ڈاکٹر فضلی زون، پارلیمانی کمیٹی کے نائب چیئرمین رکن صنعت وسرمایہ کاری کمیٹی اور جسٹس پارٹی کے رکن ڈاکٹر سوکامت، ڈیموکریٹک پارٹی کے رکن پوتو سوپادماروڈانا، رکن کمیشن برائے مذہبی وسماجی امور وآفات اور حقوق نسواں وشنو وبجے آدی پترا، گولکار پارٹی آف انڈونیشیا کے رکن محمد علی رضا سمیت دیگر اراکین پارلیمنٹ اور وزرا شامل تھے۔میٹنگ میں جمہوریت،انتخابات اور وہاں کے معاشروں کے دیگر اہم مسائل پر تفصیلی گفت وشنید ہوئی۔آخر میں راقم نے پارلیمنٹ کے اسپیکر صاحب کو روایتی چترالی ٹوپی پیش کی جس پر وہ بہت خوش ہوئے۔اس کے بعد پارلیمنٹ ہاؤس کی گیلری میں چکر لگایا

جہاں صدر سوئیکارنو، سہارتو اور دیگر انڈونیشین لیڈروں کی تصاویر آویزاں تھیں۔ فروری میں انڈونیشیا میں بھی پاکستان کی طرح انتخابات ہو رہے ہیں۔ یہاں دو ڈھائی گھنٹے گزارنے کے بعد ہم لوگ باقی شہر کو دیکھنے کے لئے پروگرام کے مطابق چل پڑے۔

جمہوریہ انڈونیشیا کا ایوان نمائندگان

انڈونیشیا میں دو ایوان ہوتے ہیں، ایک انڈونیشیا کا ایوان نمائندگان (DPR) اور دوسرا علاقائی نمائندہ کونسل (DPD)۔ ڈی پی آر کو قومی مقنّنہ کا ایوان زیریں سمجھا جاتا ہے، جبکہ علاقائی نمائندہ کونسل (DPD) ایوان بالا کے طور پر کام کرتی ہے۔ انڈونیشیا میں ڈی پی ڈی کے مقابلے ڈی پی آر کو زیادہ طاقت، استحقاق اور وقار حاصل ہے۔ ڈی پی آر کے ارکان کا انتخاب ہر پانچ سال بعد عام انتخابات کے ذریعے کیا جاتا ہے، اس کے 575 ممبران ہوتے ہیں جو ارکان پارلیمنٹ کہلاتے ہیں۔ انڈونیشیا کے پہلے صدر سوئکارنو تھے جو ایک سیاستدان، خطیب، انقلابی اور قوم پرست رہنما تھے، جنہوں نے 1945 سے 1967 تک شاندار قومی خدمات سرانجام دیں۔ سوکارنو ڈچ استعمار سے آزادی کے لیے انڈونیشیا کی جدوجہد کے رہنما تھے۔

بندونگ شہر میں تیسرے صبح ناشتے میں جامعہ بنوریہ کے فضلا اور مقامی مدرسے کے مہتمم صاحب بھی تشریف لائے تھے، ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی جو انڈونیشیا جیسے لبرل ملک میں قرآن وحدیث کی صحیح فکر کی ترجمانی کر رہے ہیں اور اسلامی تعلیمات وہاں پہ پھیلا رہے ہیں۔

دوسری رات کو عشاء کے بعد مولانا اسرار صاحب نے مقامی ریسورنٹ میں تمام وفد کو عشائیے پر مدعو کیا تھا۔ یہ ایک ہندوستانی صاف اور خوبصورت ہوٹل تھا جو مشرقی کھانوں کی وجہ سے بندونگ شہر میں معروف تھا۔ یہ بندونگ شہر میں ہمارے وفد کی آخری دعوت تھی۔ پھر آدھی رات کو تمام شرکاء پاکستان کو واپس جا رہے تھے، صرف مولانا نعیم صاحب ہمارے ساتھ بندونگ میں رُک رہے تھے کیونکہ ان کی فلائٹ کل دوپہر کے بعد کراچی کے لئے تھی۔ لہٰذا وہ ہم دونوں کے ساتھ بندونگ میں رُک گئے تھے۔ وفد کے تمام اراکین عشائیے میں مدعو تھے، ابھی ہم ریسٹورنٹ کی نشستوں پر بیٹھے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور سارا ماحول جھل تھل ہوگیا، کھڑکیوں اور شیشوں سے باہر بارش بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ بارش کی بوندیں اور لکیریں شیشوں پر بہتے ہوئے بندونگ شہر کی افسانوی تاریخ اور مختلف ادوار کی کہانی ہمارے سامنے لکھ رہی تھیں۔ بندونگ شہر جکارتہ سے زیادہ پیارا، کھلا اور خوبصورت ہے۔ وقت ہوتا تو یہاں پر کم سے کم ایک ہفتہ قیام کرنا چاہیے تھا کہ میرے جنوں اور وحشت کو اس کا سایہ دیوار زیادہ بھلا معلوم ہوا۔ (جاری ہے)

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
مدیر ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ انڈیا

شام میں کیا، کیوں اور کیسے ہوا؟
سیاسی استحکام کی راہ میں عالمی دباؤ اور داخلی مشکلات

شام، جسے سیریا یا سوریا بھی کہتے ہیں، زمین پر قدیم ترین آباد علاقوں میں سے ایک ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ شام اور اس کے پڑوسی ملک عراق میں ہی انسانی تہذیب پیدا ہوئی۔ دمشق دنیا کے قدیم ترین شہروں میں گنا جاتا ہے۔ شام میں عصر حجری سے لے کر آرامی، سلوقی، رومانی، بازنطینی، اموی اور عثمانی وغیرہ ادوار کے آثار موجود ہیں۔ مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں اس علاقے کو 636ء میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح کیا تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد اموی خلافت قائم ہوئی اور 132 سال تک چلی۔ اس نے دمشق کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ صلیبی جنگوں کے دوران اس علاقے کو بہت نقصان پہنچا یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبی فوجوں کو ''حطین'' کے مقام پر 1187ء میں شکست فاش دی۔ سلطان صلاح الدینؒ کا دارالسلطنت بھی دمشق تھا۔ عثمانی دور حکومت میں شام کی بڑی ترقی ہوئی اور استنبول سے حجاز تک جانے والی ریلوے لائن بچھائی گئی جو شام سے گزرتی تھی۔ شام کے اندر وہ ریلوے لائن اب بھی کام کرتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ، فرانس اور قیصرِ روس نے مل کر سایکس پیکو (Sykes-Picot) خفیہ معاہدہ کیا جس کے تحت شام کو فرانس کے حوالے کر دیا گیا اور فلسطین کو برطانیہ کے سپرد کیا گیا، جبکہ 1917ء میں روس میں بالشویک انقلاب آنے پر روس نے خود کو اس معاہدے سے الگ کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر اس سامراجی معاہدے پر عمل شروع ہوا اور فرانس نے شام پر قبضہ کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے پر شام کے عربوں نے امیر فیصل کی سرکردگی میں ایک کانفرنس منعقد کر کے وہاں عرب حکومت قائم کر لی تھی، لیکن فرانس نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور 8 مارچ 1920ء کو فوج کشی کر کے شام پر قبضہ کر لیا۔ دمشق پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد فرانسیسی کمانڈر جنرل گورو (Gouraud) شہر میں واقع سلطان صلاح الدین کے مقبرے پر گیا اور ان کی قبر پر اپنا فوجی بوٹ رکھ کر تاریخی کلمہ کہا، ''صلاح الدین! ہم واپس آ گئے ہیں۔'' واضح تھا کہ فرانسیسی صلیبی جنگوں میں صلاح الدین کے ہاتھوں مکمل شکست کو صدیوں بعد بھی نہیں

بھولے تھے، اسی طرح جب اکتوبر 1918ء میں برطانوی قائد جنرل ایلن بی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد شہر کا دورہ کیا تو اس نے اعلان کیا، آج صلیبی جنگیں ختم ہوگئیں۔ یورپ کو وہ سب یاد ہے، جبکہ مسلمان بڑی تیزی سے سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔دوسری جنگ عظیم میں معاشی طور پر تباہ ہونے کے بعد فرانس نے شام کو آزادی دے دی اور 7/اپریل 1946ء کو نیا شام وجود میں آیا لیکن فرانس نے اسی کے ساتھ اپنا انتقام بھی لے لیا جو آج تک شام اور علاقے کے لیے مسئلہ بنا ہوا ہے، یعنی اس نے شام سے ایک حصہ کاٹ کر اسے جمہوریہ لبنان کا نام دے کر عیسائیوں کی آئینی بالادستی میں دے دیا یعنی جو آئین فرانس نے لبنان پر آزادی دیتے ہوئے تھوپا تھا، اس میں لکھا ہوا ہے کہ لبنان کا صدر جمہوریہ مارونی عیسائی ہوگا۔ لبنانی صدر کے پاس فرانس اور امریکہ کی طرح مکمل اختیارات ہوتے ہیں۔

شام میں متعدد قومیں اور مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں۔ یہاں کی غالب آبادی (۶۳ فیصد) سنی مسلمانوں کی ہے۔ یہاں کے ایک گاؤں معلولہ میں آرامی زبان بولی جاتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے تھے۔ دوسرے گروہ یہ ہیں: علوی (دس فیصد) عیسائی (دس فیصد)، کرد (نو فیصد) دروز (تین فیصد)، اسماعیلی (ایک فیصد) دوسری اقلیتیں (۲ فیصد)، شام کے ۷۴ فیصد مسلمان حنفی مسلک کے تابع ہیں۔اس علاقے کو بعد میں منگولوں وتاتاریوں نے بہت نقصان پہنچایا۔مملوک فوجوں نے ان کو عین جالوت میں 1280ء میں ہرایا پھر تیمور لنگ نے بھی سنہ 1401-1400 میں اس علاقے کو تاراج کر کے بہت نقصان پہنچایا۔عثمانیوں نے اس علاقے پر مملوک فوجوں کو ہرا کر اگست 1516ء میں قبضہ کیا جو اگلی چار صدیوں تک چلا اور پہلی جنگ عظیم میں عرب بغاوت کی وجہ سے ختم ہوا، جس کے دوران فرانس اور برطانیہ نے اس پورے علاقے کو آپس میں تقسیم کرنے کی سازش کی۔آج جو علاقے شام، فلسطین، لبنان اور اردن کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ سب پہلی جنگ عظیم تک سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھے۔عثمانی دور حکومت میں سیاسی استحکام کی وجہ سے اس پورے علاقے کی معاشی اور تجارتی ترقی ہوئی جس کی وجہ سے آبادی میں بھی بہت اضافہ ہوا۔

عثمانی عہد کے آخری حصے میں یعنی 1840ء سے لے کر 1914ء تک اس علاقے میں بڑی تعلیمی ترقی ہوئی، چھاپے خانے بنائے گئے، کتابوں، مجلّات اور اخبارات کی اشاعت شروع ہوئی، جدید مدارس، کالجز اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جس کی وجہ سے ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے شام کو پوری عرب دنیا میں ایک تفوق حاصل ہوگیا۔باقاعدہ آزادی سے پہلے شام میں متعدد حکومتیں فرانسیسی مینڈیٹ کے تحت قائم ہوئیں جیسے ہاشم الاتاسی کی حکومت (دسمبر 1936ء) اور شکری القوتلی کی حکومت (1943)۔1946ء میں آزادی کے بعد شام میں یکے بعد دیگرے فوجی انقلاب آئے جیسے حسنی الزعیم کا انقلاب (مارچ 1949ء) شامی الحناوی

کا انقلاب (1949) شیشکلی کے دو انقلاب (دسمبر 1949/1951) اور جنرل فیصل الاتاسی کا انقلاب (1954)

غرض! اس عرصے میں شام میں 8 فوجی انقلاب ہوئے جس کا نتیجہ واضح ہے کہ سیاسی اور اقتصادی افراتفری پھیل گئی۔اس دوران مصری صدر جمال عبدالناصر کی عرب قومیت کی جذباتی تحریک کو بہت عوامی تائید ملی جس کے نتیجے میں 1958ء میں مصر اور شام کا سیاسی اتحاد ہو گیا اور ایک نیا ملک جمهورية العربية المتحدة (متحد عرب جمہوریہ یا یونائیٹڈ عرب ریپبلک) وجود میں آیا لیکن 1961 میں ایک اور فوجی انقلاب شام میں آیا اور یہ اتحاد ٹوٹ گیا۔اس کے بعد الیکشن ہوا اور ناظم القدسی کی صدارت میں نئی حکومت بنی۔ لیکن یہ حکومت لمبے عرصے تک نہیں چلی بلکہ 8 مارچ 1963ء کو بعث پارٹی سے متاثر فوجی افسروں نے حکومت کا تختہ پلٹ دیا۔تب سے شام پر کسی نہ کسی شکل میں بعث پارٹی کی حکومت 8 دسمبر 2024ء تک رہی۔ بعث پارٹی ہی کے کچھ دوسرے فوجی افسر 1966ء میں ایک اور فوجی انقلاب لائے۔ پھر جلد ہی کچھ دوسرے بعث پارٹی کے فوجی افسروں نے 1970ء میں تحریکِ تصحیح کے نام سے ایک اور فوجی انقلاب برپا کیا جس کے نتیجے میں اس وقت کا وزیر دفاع اور فضائیہ کا کمانڈر حافظ الاسد صدر بنا جس کے بعد سے موروثی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا۔ 2000ء میں حافظ الاسد کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا بشار الاسد صدر بنا اور 8 دسمبر تک اس عہدے پر قائم رہا۔ اکتوبر 1973 میں حافظ الاسد نے مصری صدر انوار السادات کے ساتھ مل کر اسرائیل سے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لینے کی کوشش کی لیکن اسرائیل کو امریکہ کی مکمل فوجی تائید حاصل ہونے کی وجہ سے ان کوئی زیادہ کامیابی نہیں ملی۔ 1975ء میں حافظ الاسد نے لبنان میں امریکہ کے کہنے پر فوجی مداخلت کی اور اپنے پرانے ساتھیوں (فتح اور سنی ملیشیا) کی گردن توڑ کر ہارے ہوئے عیسائی ملیشیا (کتائب وغیرہ) کو دوبارہ لبنان کی سیاست پر حاوی کر دیا۔اسد کی فوج نے سنی میلشیا (عرب لبنان فوج) کی کمر توڑ دی اور اس کے قائد احمد الخطیب کو گرفتار کر کے شام لے گئی، جسکے بعد سے آج تک انکا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے، شامی فوج لبنان میں 2005ء تک رہی اور بالآخر پورے ملک کی مخالفت کی وجہ سے ملک چھوڑنے پر مجبوری ہوئی، شام میں 1979 میں الاخوان المسلمون کی قیادت میں اسد کی ڈکٹیٹرشپ کیخلاف عوامی تحریک شروع ہوئی جسکے بعد اسد حکومت کی زیادتیاں بہت بڑھ گئیں۔ الاخوان المسلمون کے ممبروں کو صرف ممبرشپ کی بنیاد پر سزائے موت دینے کا قانون بنا جو بشار الاسد کے سقوط تک جاری رہا۔ حافظ الاسد اور اس کے بعد اس کے بیٹے نے مظالم کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔صدام حسین کے مظالم کے علاوہ ایسی بربریت کسی اور عرب ملک میں دیکھنے کو نہیں ملی۔اسد کا شام مخبروں، بے لگام مسلح میلیشیا گروہوں اور سیکیورٹی کے نام پر ہزاروں تعذیب خانوں اور جیلوں کا نام تھا۔حافظ الاسد کے بے انتہا

مظالم میں جون 1980ء میں واقع تدمر جیل کا قتل عام شامل ہے جب جیل میں بند 1200 سیاسی قیدیوں کو آدھے گھنٹے میں مشین گن سے اڑا دیا گیا تھا۔فروری 1972 میں حافظ الاسد نے حماہ شہر میں قتل عام کیا جس کے دوران بیس سے چالیس ہزار لوگ بمباری اور گولہ باری سے قتل کیے گئے اور حماہ کے قدیم تاریخی شہر کو تباہ و برباد کر دیا گیا کیونکہ وہاں کی عوام نے کھل کر اسد حکومت کے خلاف مظاہرے کیے تھے،اپنے مخالفین کو ڈرانے، دھمکانے، پٹوانے اور قتل کرانے کیلئے حافظ الاسد نے سابق نازی افسروں کی مدد سے بڑا خطرناک سیکیورٹی سسٹم بنایا تھا جو جاسوسی اور مشکوک لوگوں کی تعذیب میں بے مثال تھا۔اس مقصد کیلئے درجنوں ملیشیائیں بنائی گئی تھیں جن میں سب سے خطرناک ملیشیا شِبیحہ تھی جو چھٹے ہوئے غنڈوں پر مشتمل تھی اور اسد کے مخالفیں کو مارنے، پیٹنے، انکے گھروں کو جلانے وغیرہ کا کام کرتی تھی،ان ساری میلیشیا تنظیموں کا قائد حافظ الاسد کا بھائی اور بشار کا چچا رفعت الاسد تھا جو موجودہ انقلاب کے بعد سے غائب ہے۔

شام کی موجودہ کشمکش 18 مارچ 2011ء کو شروع ہوئی جب پورے عالم عربی میں عرب بہاریہ (الربیع العربی) کے نام سے انسانی وسیاسی حقوق کی بازیابی کی تحریک شروع ہوئی۔اس کے اثرات ہر جگہ کچھ نہ کچھ پہنچے اور تیونس اور مصر میں کچھ عرصے کے لیے نئی حکومتیں بھی بنیں لیکن جلد ہی بعض عرب حکومتوں، اسرائیل اور امریکہ کی کوششوں سے اس کو ناکام بنا دیا گیا۔شام میں 2011 میں شہر درعا کے واقعات کے بعد یہ تحریک شروع ہوئی جب دیواروں پر نعرے لکھنے والے نوجوانوں کے خلاف اسد حکومت نے سخت کارروائی شروع کی۔سختی کے ساتھ تحریک بھی زور پکڑتی گئی۔جلدی ہی مختلف مسلح تحریکوں نے شام کو اپنی جولان گاہ بنا لیا جن میں دولت اسلامیہ (ISIS) بھی شامل تھی۔کئی نیم آزاد علاقے وجود میں آئے اور بشار الاسد کی حکومت ایک چھوٹے سے علاقے میں محصور ہو کر رہ گئی۔اس دوران دو لاکھ سے زائد لوگ مارے گئے، لاکھوں زخمی ہوئے، سات ملین شامی ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے اور بڑے بڑے شہر، قصبات اور گاوں بمباری سے کھنڈر بن گئے۔اس طاقتور عوامی تحریک کے باوجود ایران، حزب اللہ اور روس کی مدد سے بشار الاسد کی حکومت قائم رہی۔اس دوران آستانہ (قازقستان) میں کئی میٹنگیں ہوئیں جن میں طے کیا گیا کہ شام میں جمہوری حکومت بنے جس میں تمام شہریوں اور علاقوں کی نمائندگی ہو۔وعدہ کرنے کے باوجود بشار الاسد نے اندرونی طور پر کوئی تبدیلی نہیں کی اور آخر تک یہ سمجھتا رہا کہ روس، ایران اور حزب اللہ اس کو بچا لیں گے۔اس صورتحال میں ملک کے مختلف حصوں پر مختلف طاقتیں قابض ہو گئیں۔شمال میں ترکی اور ترکی نواز شامی فوج، مشرق میں امریکہ اور اس کی حلیف کردی اتحاد، شمال مغرب میں ادلب کے آس پاس هيئة تحرير الشام (پرانا نام جبهة تحرير الشام) نیز بیسیوں چھوٹی مسلح تنظیمیں چھوٹے

چھوٹے پاکٹس پر قابض ہوگئیں اور اب بھی ہیں۔شام میں 2016 سے باغیوں اور اسد حکومت کے درمیان برابری کی صورت حال تھی۔کوئی گروپ دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔موجودہ تحریک 27 نومبر کو شمال میں ادلب سے شروع ہوئی جہاں ایک بڑے علاقے پر ھیئۃ تحریر الشام کئی سال سے قابض تھی اور ایک حکومت چلارہی تھی۔اس نے 21 دوسری چھوٹی تنظیموں کو ساتھ ملایا، ایک قیادت اور ایک جھنڈے کے تحت اسد کے علاقوں پر حملہ کرنے پر سب کو راضی کیا۔یوں سب سے پہلے انہوں نے شام کے دوسرے بڑے شہر حلب پر قبضہ کیا اور بالآخر تیزی سے حماہ اور حمص پر قبضہ کرتے ہوئے 8 دسمبر کی صبح کو دمشق پر قبضے کرلیا۔ یہ جدوجہد اسی رات بشارالاسد کے روس فرار ہونے پر ختم ہوگئی۔حالات میں تبدیلی مشرق وسطی کے بدلتے ہوئے منظر نامے کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ بشارالاسد کے تینوں مویدین اب اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ کسی بڑے پیانے پر اس کی مدد کرسکیں۔حزب اللہ اسرائیل کے ساتھ جنگ میں بہت کمزور ہوگیا تھا، ایران اپنے مسائل اور امریکی اور اسرائیلی حملوں کی دھمکیوں کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا تھا اور روس یوکرین میں پھنسنے کی وجہ سے کوئی بڑی مدد دینے سے قاصر تھا۔

ان حالات میں 28 نومبر 2024ء کو بشارالاسد روسی صدر پوٹن سے ملنے اور فوجی مدد کی درخواست کرنے گیا لیکن اس کوٹکا سا جواب ملا کہ ہم شامی فوج کے بدلے جنگ نہیں لڑ سکتے ہیں۔ بالآخر بشارالاسد 8 دسمبر کی رات کو ہوائی جہاز سے دوٹن ڈالر اور یورو وغیرہ لے کر بھاگ گیا اور اپنے قریبی رشتہ داروں تک کو آخر وقت تک بھنک نہیں لگنے دی بلکہ سب سے کہتا رہا کہ روس کی فوجی مدد آرہی ہے۔موجودہ تحریک کی شروعات ایک سال قبل شروع ہوئی جب دھیرے دھیرے بشارالاسد اور اس کی حکومت کو دوبارہ عرب اور اسلامی دنیا میں قبولیت حاصل ہونا شروع ہوئی۔ برسوں سے بشار کی حکومت کو عرب لیگ اور او آئی سی سے باہر کر دیا گیا تھا۔اب ایسا لگا کہ جلد ہی عرب حکمراں اپنی پالیسی بدل کر بشارالاسد کو پوری طرح قبول کرلیں گے اور اس کی مدد کرنا بھی شروع کر دیں گے۔اسی وقت سے ھیئۃ تحریر الشام نے تقریبا ۲۲ چھوٹے چھوٹے مسلح گروہوں سے بات چیت شروع کی جن میں سے کچھ شمال میں بعض علاقوں پر قابض تھے اور کچھ جنوب میں۔ ان سب کی ایک مشترکہ فوجی قیادت بنائی گئی۔جنگجو عناصر کی ایک جگہ ٹریننگ ہوئی، ایک جھنڈے کے تحت لڑائی کا آغاز کیا گیا جس میں ھیئۃ تحریر الشام اور ان کے حلیفوں نے شمال سے اور ان کے دوسرے حلیفوں نے جنوب سے شامی فوج کے خلاف نومبر کے اواخر میں تحریک شروع کی۔اس کام میں کم سے کم خون بہایا گیا۔اسد کی فوج نے ہر جگہ ہتھیار ڈال دیے یا بھاگ گئی۔ ہر شہر میں سب سے پہلے جیل میں بند ہزاروں قیدیوں کو آزاد کرایا گیا۔ہم نے تحریک کے فوجی قائد ابومحمد

الجولانی (احمد الشرع) کے شروع کے تین ویڈیو دیکھے ہیں۔ پہلے میں وہ دمشق میں داخل ہونے کے بعد ایک میدان میں سجدہ کررہے ہیں، دوسرے میں دمشق بلکہ شام کی سب سے اہم عبادت گاہ مسجد اموی میں جاکر لوگوں سے خطاب کررہے ہیں اور تیسرے میں ایک بڑے کمرے میں زمین پر بیٹھ کر لوگوں سے خطاب کررہے ہیں جبکہ وہاں صوفے موجود ہیں۔ ہر جگہ وہ ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھے۔ شہروں میں داخل ہونے والی فوج کو حکم تھا کہ گولیاں نہ چلائیں، سرکاری دفتروں کے اندر نہ جائیں، دوسری طرف تمام سرکاری عملہ کو اسد کے وزیراعظم جلالی سمیت یہ حکم تھا کہ وہ حسب سابق کام کرتے رہیں۔ چند دن بعد ادلب کے علاقے میں ھیئۃ تحریر الشام کی برسوں سے چلنے والی حکومت کے وزیراعظم محمد البشیر اور ان کے ساتھیوں نے گورنمنٹ کا کام یکم مارچ تک کیلئے سنبھال لیا۔ اس عرصے میں نیا آئین بنایا جائے گا، الیکشن ہوگا اور باقاعدہ حکومت بنے گی۔

اسرائیل نے پہلے دن سے شام کے مقبوضہ جولان کے باہر بفرزون اور دوسرے علاقوں پر قبضہ کرلیا نیز، شام کی فوجی طاقت، اسلحے، راکٹ، جنگی ہوائی جہاز اور بحری بیڑے پر حملہ کرکے تقریبا 80 فیصد شامی فوجی طاقت کو ختم کردیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف نئی حکومت کمزور ہوگی بلکہ اسرائیل کی جارحیت کے خلاف کوئی ردعمل دینے کے قابل نہیں رہے گی۔ اسی کے ساتھ شام کے دوسرے علاقوں کو واپس لینے کی طاقت بھی نئی حکومت کے پاس نہیں رہے گی اور اگر کوئی پڑوسی ملک بشمول اسرائیل لشکر کشی کرتا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی طاقت بھی نئی حکومت کے پاس نہیں رہے گی۔ نئی حکومت کو بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔ ایک طرف تو دو درجن کے قریب مسلح تنظیموں کے تناقضات دوبارہ ابھر کر سامنے آسکتے ہیں، دوسری طرف اپنے تسلط سے باہر دوسرے علاقوں کو واپس لینا بھی اس کے لیے بڑا مشکل کام رہے گا۔ اسی کے ساتھ ایک ٹوٹے ہوئے اور غربت زدہ ملک کو دوبارہ اپنے پاوں پر کھڑا کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ دوسری طرف سابق نظام کے لوگ، جن کے پاس پیسوں اور اسلحے کی کمی نہیں ہوگی، ملک کے اندر دہشت گردی شروع کرواسکتے ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک چاہتے ہیں کہ شام کے سارے سیاسی اور مذہبی گروہوں، بشمول بعث پارٹی، بشارالاسد کے لوگوں اور علوی سب کو حکومت میں شریک کیا جائے۔ یہ ممالک یہ شرط لگارہے ہیں کہ اگر نئی حکومت نے ایسا کیا تبھی ھیئۃ تحریر الشام کو دہشت گرد تنظیموں کی لسٹ سے نکالا جاسکتا ہے۔ ان شرطوں کو ماننے سے نئی حکومت کمزور ہوجائے گی۔ ساری عرب حکومتوں کو اسلامی حکومتوں سے بڑا خوف آتا ہے۔ اسی لیے وہ شام میں نئی حکومت کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کریں گی جیسا کہ وہ پہلے تیونس اور مصر میں کرچکی ہیں۔ شام کے نئے حاکموں کے سامنے چیلنج بہت ہیں لیکن ان کی کامیابی امت مسلمہ کے لیے موجودہ حالات میں ایک بہت بڑا تحفہ بھی ہوگی۔

جناب کمال اوزترک

ترجمہ: ذوالقرنین حیدر

عصرِ حاضر کے بحران اور مفکرین کا مطلوبہ کردار

دنیا میں درپیش سنگین چیلنجوں اور بحرانوں کے سلسلے میں گفتگو کرتے وقت ہر کسی کی توجہ سیاست دانوں اور حکومتی اہلکاروں کی طرف کیوں ہوتی ہے؟ کیا کسی حد تک ان سے یہ امید لگانا درست ہوسکتا ہے کہ وہ ان مشکلات کا ازالہ کریں گے، جنگوں کو روکیں گے اور سماجی مسائل کا کوئی حل نکالیں گے؟ میرے خیال سے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی سیاست داں جب عالمی سطح کے بحرانوں سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے تو پہلے وہ اپنے ملک کے مفادات کو ترجیح دیتا ہے اور اس کے بعد اپنی ذاتی مصلحتوں اور اقتدار کی بقا کی فکر کرتا ہے۔ چنانچہ کسی بحران کا حل پیش کرنے کے بجائے وہ اس بحران کو مزید پیچیدہ بنا دیتا ہے۔صورت حال کی مکمل آگہی ضروری ہے۔

آج دنیا جن بحرانوں کا سامنا کر رہی ہے، ان کے نتائج نہایت تباہ کن ہوں گے۔اس کی بڑی مثال یوکرین اور روس کی جنگ، فلسطین پر ناجائز تسلط، شام کی خانہ جنگی، اور افریقہ میں جاری تنازعات ہیں۔ بصد افسوس! یہ تو صرف آغاز ہے۔اگر ہم حکومتی عہدیداروں کی باتوں پر توجہ دیں تو ہمیں اکثر ان کی زبان سے بڑے بڑے بیانات سننے کو ملتے ہیں مثلاً مسئلے کا سیاسی حل ہو، فوری جنگ بندی کی جائے، پرامن طریقوں کو اپنایا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ محض سطحی بیانات ہیں جن سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔اسی طرح بحرانوں کی وجوہات پر یہ جو تجزیے پیش کرتے ہیں، وہ بھی بالکل سطحی ہوتے ہیں جن کا ان مسائل کی گہرائی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ تجزیے بھی مکمل طور سے علاقائی دائروں میں محدود ہوتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ سیاست داں، بیوروکریٹ یا حکومتی عہدیدار اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی ایک دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جس کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ صورت حال سے مکمل طور پر واقف ہو اور ان بحرانوں کی درست تفصیلات بیان کرے۔ انھیں دانش ور، اسکالر، اہل علم یا ایک جامع لفظ میں مفکرین کہہ سکتے ہیں۔اس پس منظر میں، مفکرین کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، خاص طور پر جب لوگ تصویر کے ایک ہی رخ یا کسی ایک ٹکڑے پر توجہ دے رہے ہوں۔ ایسے میں لازم ہوجاتا ہے کہ ایک مفکر پوری تصویر کو دیکھے تاکہ وہ انسانیت کی درست رہنمائی کر سکے۔اسی صورت میں ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ مسائل اس سے کہیں زیادہ بڑے، گہرے اور پھیلے ہوئے ہیں جتنا ہم سمجھتے تھے، بصورت دیگر ہم ان جنگوں، غاصبانہ قبضوں اور جنگی بدامنیوں کی اصل وجوہات کو سمجھنے میں ناکام رہیں گے۔ ہم جغرافیائی

حدود کی پامالی، معمولی تنازعات یا دہشت گردی کو حقیقی اسباب سمجھ بیٹھیں گے جب کہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہوگی۔ نئے طرز فکر کی ضرورت یورپ میں نسل پرستی کی بڑھتی ہوئی لہر کے پیچھے نقل مکانی کرنے والے مہاجرین وجہ نہیں ہیں۔ غزہ پر ناجائز تسلط کو سات اکتوبر کے واقعے میں قید کر کے دیکھنا درست نہیں ہوگا۔ امریکہ میں ٹرمپ کی بڑھتی مقبولیت کی وجہ صرف بائیڈن کی عمر رسیدگی نہیں ہے، یوکرین اور روس کے تنازع کو صرف روسی حملے تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ افریقہ کے مسائل محض سرحدی تنازعات یا دہشتگردی کے سبب سے نہیں ہیں۔ اسی طرح اسلامی دنیا کی پسماندگی کی واحد وجہ استعمار نہیں ہے۔

عصرِ حاضر کے بحرانوں کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ان کی ہمہ گیر تصویر دیکھنا ناگزیر ہے۔ یہ ذمہ داری بنیادی طور پر مفکرین کی ہے کہ وہ ان بحران کے حقیقی اسباب کی نشان دہی کریں اور پھر اس کے لیے حل پیش کریں لیکن یہ نہایت صبر آزما مرحلہ ہے جس میں نئی سوچ اور نیا فکر بے حد ضروری ہے۔ یورپ میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی کا حل اسی وقت ممکن ہے جب دولت کی تقسیم میں عدل اجتماعی (social justice) کو یقینی بنایا جائے۔ مہاجرین پر پابندی لگانے سے اس کا حل نہیں نکلنے والا ہے۔ اسی طرح میکسیکو سے امریکہ کی جانب ہجرت کرنے والوں کے سیلاب کو دیوار کھینچ کر نہیں بلکہ لاطینی امریکہ میں مستحکم اور انصاف پسند حکومتوں کے قیام سے روکا جا سکتا ہے۔ غزہ پر جبری قبضے کا خاتمہ صرف اس وقت ممکن ہے جب امریکہ اپنی سامراجی خواہشات سے دستبردار ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ دنیا میں ایسے بہت سے مفکرین ہیں جو ان مسائل میں اس سے کہیں بہتر اور بااثر افکار پیش کر سکتے ہیں لیکن فی الحال یورپ، امریکہ یا اسلامی دنیا کے دانشوروں میں روایتی سوچ کے خلاف کھڑے ہونے کی جراءت اور طاقت ناپید ہے اور یہی ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہے۔ تازہ افکار کے بغیر حل ناممکن ہے، ہمارے سیاسی، عسکری اور معاشی بحران کی جڑیں سماجی مسائل میں پیوست ہیں۔ ان بحران کو سمجھنے کیلئے سماج کا وسیع مشاہدہ، اس کی گہری سمجھ اور اس کی ضرورتوں کی تعیین لازمی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مفکرین تازہ افکار پیش کریں تا کہ انسانی زندگی کو بہتر بنایا جا سکے۔ بنا افکار سیاست کا ارتقا ناممکن ہے اور بحران کا حل بھی ناممکن ہے بلکہ اس کی پیچیدگیوں کا بڑھنا ہی متوقع ہے۔ چنانچہ اگر نئے افکار پیش نہ ہوئے تو بدامنی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اس لیے ہم کو مضبوط افکار پیش کرنے والے مفکروں کی سخت ضرورت ہے۔ یورپ میں ایسے مفکرین کہاں ہیں جو برملا اس بات کا اعتراف کریں کہ یورپ کے مسائل کی اصل وجہ مشرق وسطی اور افریقہ میں اس کا استعمار اور ناجائز قبضہ ہے؟ عالم اسلام میں وہ مفکرین کہاں ہیں جو کھل کر یہ کہہ سکیں کہ اسلامی دنیا کے انحطاط کی اصل وجہ اسلام کے تئیں ہمارا سوءِ فہم اور ہماری بدعنوان حکومتیں ہیں؟ افریقہ کے وہ دانش ور کہاں ہیں جو براعظم افریقہ میں پھیلی بھک مری اور غربت کا اصل سبب لالچ کو قرار دے سکیں؟ ایسا لگتا ہے کہ یہ مفکرین خود احتسابی اور اپنی شخصیت کے عوامل پر نظر ثانی کے محتاج ہیں تا کہ اپنے حقیقی کردار کی بازیافت کر سکیں۔

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

کالم نگار روزنامہ ''نوائے وقت''

معاشی اور معاشرتی ترقی اور انسانی رویے

انسان جنم لیتے ہی سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا چیخ چیخ کر اظہار کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ میں ننگا ہوں مجھے کپڑے پہناؤ یا میں کسی مذہب میں داخل ہوتا ہوں مجھے کلمہ پڑھاؤ یا نہ ہی وہ اپنے دوست، دشمن، خالق، مالک اور رازق کے بارے میں استفسار کرتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی نسل رنگ اور زبان وغیرہ کے بارے میں آگاہی چاہتا ہے بلکہ اس کا سب سے پہلا، سب سے زورآور اور سب سے بنیادی تقاضا اس کا پیٹ ہوتا جس کے بھر جانے پر وہ اپنے گردونواح سے بے خبر نیند کی آغوش میں اس طرح پہنچ جاتا ہے کہ پھر معاشی مسئلہ ہی اسے اس نیند سے بیدار کرتا ہے جبکہ معاشرہ وہ ابتدائی آماجگاہ ہے جہاں انسان کا جنم واقع ہوتا ہے۔ انسان نہ ہی انڈے سے نکل کر پانی میں تیرنا شروع کر دیتا ہے اور نہ ہی کسی فارم میں اس کی پیدائش وپرورش کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ ماں کا پیٹ ایک معاشرتی اختلاط کے باعث حکم ربی سے بارآور ہوتا ہے، ماں کی مامتا وہ سب سے پہلا تحفہ ہے جو معاشرے کی طرف سے انسان کو پیدا ہونے سے قبل ہی میسر آجاتا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی معاشرے کا عطا کردہ خاندان اس انسان زادے کو اپنی محبت، الفت، پیار اور چاہت کی گھنیری چھاؤں میں لے لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانور، پرندے یا مچھلی کا بچہ تو شاید کسی معاشرتی پشتیبانی کے بغیر پل بڑھ سکے لیکن آدم زاد کو ایسی صورت حال میں کوئی خدائی معجزہ ہی حشرات الارض سے بچا سکتا ہے۔ گویا معاش اور معاشرہ انسان کی وہ ضرورتیں ہیں جنہیں ذات باری تعالیٰ نے کمال رحمت سے نومولود کی آمد سے قبل ہی پورا کر دیا ہے۔ انسانیت ان دونوں عناصر کے بغیر نہ صرف نامکمل ہے بلکہ انسان کا وجود ہی انہی دونوں کا مرہون منت ہے۔

بچپن، لڑکپن، آغاز شباب، شباب، ادھیڑپن اور پھر بڑھاپے کی تمام منزلوں میں انسان پہلے سے زیادہ اور مزید زیادہ تر ان دونوں عناصر کا محتاج ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسے معاشی اور معاشی ترقی کیلئے اپنا انسانی کردار ادا کرنا ہے جس کو قدرت الٰہیہ نے بڑی خوبصورتی سے ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت کے استعاروں میں ڈھانپ دیا ہے۔ یہ دونوں کردار ماں اور باپ دراصل سب سے اولین معاشی و معاشرتی رضاکار ہیں۔

وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان:۱٤)

''اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے نصیحت کی کہ) میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری طرف ہی تم کو پلٹنا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کیا عجیب اور شاندار نظام ہے کہ ناخن سے رسولی تک انسان کے جسم کیساتھ لگی تکلیف دہ چیز جب کاٹ کر الگ کی جاتی ہے تو انسان اسے بڑی نفرت اور حقارت سے دیکھتا ہے اور اسے دور پھینک دیتا ہے لیکن نو ماہ تک درد پر درد دینے والا نومولود جب اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو ماں اسے سینے لگا کر اپنے شیریں چشموں سے سیراب کرتی ہے۔ اگرچہ جانور کے ہاں بھی مامتا کا یہی کردار ہے لیکن جانوروں کے ہاں اکثر نسلوں میں باپ کا کوئی کردار نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو ماں اپنے بچوں کو نر جانور سے چھپاتی پھرتی رہتی ہے۔ اسکے مقابلے میں انسان کے ہاں باپ کا کردار نسل کی پرورش پر محیط ہے، جس کا بہت بڑا حصہ معاش سے تعلق رکھتا ہے یعنی باپ اپنے قبیلے کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النسا:۳٤)

''مرد حضرات عورتوں پر نگران ہیں، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

معاشی ترقی اور معاشرتی ترقی کو جدا نہیں کیا جاسکتا، جو معاشرہ معاشرتی ترقی سے ہم آہنگ ہوگا وہیں معاشی ترقی بھی وقوع پزیر ہوگی اور جہاں معاشی ترقی ہوگی وہیں معاشرتی ارتقاء بھی جنم لے سکے گا۔ انفرادی سطح پر یہ ایسے ہی ہے جیسے پیٹ بھرے گا تو انسان کام کر سکے گا اور اگر انسان کام کرے گا تو پیٹ بھر سکے گا۔ معاش کو معاشرے سے اور معاشرے کو معاش سے اسی طرح علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جیسے انسان کو اسکے پیٹ سے علیحدہ نہیں کیا سکتا۔ اگر معاشرتی اقدار ڈھیلی پڑ جائیں گی تو معاش بری طرح متاثر ہوگی اور اسی طرح معاشی اقدار اگر زوال پزیر ہوئیں تو معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی چلی جائیں گی۔ معاشرتی اور معاشی حقائق کو جاننے کے لیے انسان نے ہر سطح پر بہت کوششیں کی ہیں۔ بہت

نچلے طبقے میں دووقت کی روٹی اورعزت کی چھت کے حصول کوتمام مسائل کا حل سمجھا جا تا ہے، یوں درجہ بدرجہ ہر سطح پر لوگوں کی فکر ایک بہا کیساتھ پروان چڑھتی ہے۔انسانی اعلیٰ دماغوں نے ان مسائل کو حل کرنے کیلئے مختلف نظام ہائے فکر وعمل بھی پیش کیے۔سیکولر یورپی دانشوروں میں سے کسی نے انسان کو معاشی جانور کہا ہے اور کسی نے معاشرتی جانور اور کسی نے تو جنسی جانور تک بھی کہا ہے اور ڈارون کے کیا کہنے جس نے انسان کو جانوروں کی نسل ہی قرار دے دیا۔یہ کیسے دانشور ہیں جن کی فکر حیوانیت سے آگے بڑھ ہی نہیں پاتی جب کہ ان کے مقابلے میں انبیا علیہم السلام نے انسان کو اشرف المخلوقات کا مقام عطا کیا۔سوشلزم، کیمونزم، فاشزم،کیپٹل ازم،لبرل ازم،سیکولر ازم، ہپی ازم،اتھیسٹس اور ملوکیت وجمہوریت وراہبانیت وبرہمنیت وغیرہ یہ سب انسانی فکر و دانش کے وہ ناکام تجربات ہیں جن کی آزمائش کی بھٹی میں انسان نے اپنی نسلوں کو جھونک دیا ہے، یہاں تک کہ آج پھر انسانیت چھٹی صدی عیسوی کے تباہ کن مقام تک آن پہنچی ہے،جس پر قرآن مجید نے یوں تبصرہ کیا تھا کہ

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (ال عمران ۱۰۳)

''اورسب مل کر اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا،تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچالیا،اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔''

مانی ازم سے عصری مغربی تہذیب تک تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انسان جب آسمانی ہدایت سے الگ کر کے اپنی فکر و فلسفے کو بننے لگتا ہے تو ہمیشہ ٹھوکریں ہی کھاتا ہے جبکہ عقل و دانش کی الجھی ہوئی، گنجلک اور تہہ در تہہ ڈوریوں کو جب آسمان سے جوڑ کر وحی کی تعلیمات میں ان کا حل تلاش کیا جائے تو گویا ڈور کا ایک ایسا سرا ہاتھ لگ جاتا ہے کہ جس سے سارے کے سارے مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔سودی نظم معیشت آج اپنے انجام کو پہنچا چاہتا ہے،معیار زندگی میں بڑھوتری

کی دوڑ کے اثرات بد آج عالمی سطح پر آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں، قرض کی مے پر استوار بلند و بالا بینکنگ کا نظام ریت کی دیوار ثابت ہو چکا ہے، اشتہار بازی پر مبنی معاشرتی اقتدار کی حقیقت سراب کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوئی اور عورت کو اسکے اصلی، حقیقی اور فطری مقام سے گرا کر جس معاشرت کا بیج بویا گیا تھا، خاندانی نظام کی تباہی کی فصل اس کے منطقی نتیجے کے طور پر آج کاٹی جا رہی ہے۔ معاشی و معاشرتی ترقی کا انسانی خواب صرف انبیا علیہم السلام کے طریقے پر ہی پورا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنا پیغام پیش کرنے کے بعد سب سے پہلے یہی کہتے تھے

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (ھود:۲۹)

''اور اے برادران قوم، میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔''

یہ معیار نبوت ہے کہ رضا کارانہ طور پر انسانیت کی خدمت کی جائے۔ نکاح وہ معاشرتی اقدار میں سے ایک اہم تر قدر ہے جس کا تحفظ اور جس کا تسلسل ہی انسانی نسلوں کی بقا کا ضامن ہے۔ سوال یہ ہے کہ ساری عمر اکٹھی بسر کرنے کی نیت اور ایک خاندان کی پرورش کے ارادے سے ملنے والے مرد و عورت کے ہاں ہونے والا بچہ اور ہوس نفس اور حیوانی جبلت کی تسکین کی خاطر ایک دوسرے کو جھنجھوڑنے اور بھنبھوڑنے کے بعد ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو جانے والے مرد و عورت کا ہونے والا بچہ کیا انسانی نفسیات میں یکساں ہوں گے؟ ہر گز نہیں! انسانی ساختہ تہذیبیں جو بھی کہیں، انبیاءؑ کی تعلیمات نے ان کے درمیان حلالی اور غیر حلالی کا فرق کیا ہے اور یہ حقیقی و آفاقی فرق ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، عشر، خمس اور فطرانہ و قربانی پر بنیاد کرنے والی معیشت کبھی بھی سود، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، اشتہار بازی اور نسوانیت کی محتاج معیشت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پہلی قسم کی معیشت انسان کی اعلیٰ اقدار کی حامل اور ان کے رواج کی ضامن ہے جبکہ دوسری قسم کی معیشت شائلا کی سوچ کی آئینہ دار اور انسانی مجبوریوں کو اور ضرورتوں کو بڑھا چڑھا کر انکا استحصال کرنے والی ہے۔

قرآن مجید نے واضح طور پر سود کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے کہ یہ دراصل انسانی تباہی کا بھیانک، اندوہناک اور ہولناک آغاز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرۃ:۔ ۲۷۸،۲۷۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایا لینے کے تم حق دار ہو، نہ ہی تم ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے۔''

انبیا علیہم السلام اگر اس دنیا میں تشریف نہ لاتے تو جنگل کا بادشاہ اور درندگی و سفاکی کی علامت شیر، چیتا اور بھیڑیا نہ ہوتے بلکہ انسان ہی ہوتا۔ اس لیے کہ اکیسویں صدی کی دہلیز پر چکا چوند روشنیوں اور تہذیب وتمدن کے جگمگاتے گہواروں میں پلنے والی اقوام جو انبیا علیہم السلام کی عطا کردہ معرفت وشعور زندگی سے بیگانہ ولاتعلق ہیں، کشمیر، چیچنیا، بوسینیا، عراق، فلسطین اور افغانستان سمیت پوری دنیا میں ان کے خونی کردار سے جنگل کے ان گوشت نوچنے والے شکاریوں کو بھی شرم آئے، اپنے آپ کو جانوروں کی نسل کہنے والوں نے پوری کوشش کی کہ انسان کے معاشی ومعاشرتی نظام کو بھی ہوس نفس سے آلودہ کر کے تو جنگل کے برابر کر دیا جائے۔ یہ انبیا علیہم السلام کا ترتیب دیا ہوا معاشی ومعاشرتی نظام ہے جس میں انسانیت کی نسلیں بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہیں، انسانی رشتے تقدس کی مضبوط ترین تسبیح میں ایک ایک دانے کی طرح پروئے چلے جاتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین انسانیت کے عنوان سے لکھا جانے والا معیشت کا سبق اپنی ایک ایک سطر پر انسان کو اس کے فرائض و حقوق یاد دلاتا چلا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور خاص طور پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دراصل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت کا نچوڑ ہیں اور انسانی عقل کسی صورت بھی وحی الٰہی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ سورہ قدر کے مضمون کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ سارے انسان ایک ہزار راتوں تک بھی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے تو ایسا شاندار نظام وضع نہ کر پاتے جتنا کہ شاندار نظام اس ایک رات (شبقدر) کی برکت سے عالم انسانیت کو میسر آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کل انسانیت کی معاشی ومعاشرتی ترقی درکار ہے تو بانیان انسانیت علیہم السلام کی تعلیمات ہی اسکا واحد حل ہیں۔ اس کے علاوہ کسی بھی طرح کے قسم ہائے قسم کے نظام جو انسانی منڈیوں میں موجود رہے ہیں اور موجود ہیں اور قیامت تک خود رو بوٹیوں کی مانند اگتے رہیں گے، کسی خاص طبقے، نسل، گروہ، قوم یا افراد کیلئے تو جزوی طور پر فائدہ مند ہو سکتے ہیں انسانیت کے کل اجتماع کی خاطر ان کے پاس کوئی پیش نامہ ہمیشہ ناپید ہی رہے گا یہاں تک کہ خالق کائنات کی آخری عدالت ان استحصالی طبقوں کو ان کے اصل انجام تک پہنچا دے گی۔

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی *

درہم و دینار کو لوٹانے کی تدابیر پر چند گزارشات

جیولری کا کاروبار اور سونے و چاندی کے سِکوں کا اجرا

(آخری قسط)

کتاب درہم و دینار مستقبل کے اسلامی سِکے پر مختصر تبصرہ

درہم و دینار کو لوٹانے کی تدابیر کے موضوع پر ایک مختصر کتاب ۲۰۱۱ء انگریزی میں لکھی گئی جس کا ترجمہ بعنوان ''درہم و دینار مستقبل کے اسلامی سِکے'' کے نام سے انٹرنیٹ پر موجود ہے (حوالہ: دی گولڈ دینار اینڈ دی سلور درہم: اسلام اینڈ دی فیوچر آف منی، ایڈیشن ۲۰۱۱، ملائیشیا)

ایک عام مسلمان قاری کو یہ کتاب بحیثیتِ مجموعی ایک ایسی فکری کاوش لگے گی کہ جس میں مصنف نے امت مسلمہ کو کاغذی کرنسی اور مروجہ عالمی معاشی نظام سے چھٹکارے کی ترغیب دیتے ہوئے درہم و دینار کو لوٹانے کی تجویز پیش کی ہے۔ اس کتاب کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں کئی نقائص ہیں اول یہ کہ اس کتاب میں امت مسلمہ کی متفقہ رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کی گئی ہے، دوم قرآنی آیات واحادیث کی غلط تشریحات، اور سوم علمائے کرام کے خلاف غیر مناسب الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس کتاب سے کچھ اقتباسات نقل کر کے اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

اقتباس

''مجھے یقین ہے کہ اسلام کے مفتیوں کو نہ تو ان ریزرو بینکوں کے بارے میں، نہ ان اصطلاحات سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی بین الاقوامی مالیاتی نظام کے بارے میں تسلی بخش علم ہے جس کا اس مضمون میں مختصر تذکرہ ہوا ہے اور شاید جب الیکٹرانک روپیہ عام ہو جائیگا اور یہ مفسدانہ مالیاتی نظام مضبوطی سے جڑ پکڑ لے گا تو شاید یہ لوگ

---

* لیکچرر، منسٹر ٹیکنالوجی یونیورسٹی آف آئرلینڈ

اس کو بھی حلال قرار دے دیں گے۔'' (حوالہ: درہم و دینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص ۱۷)

''خبروں کے اس بلیک آؤٹ سے زیادہ خطرناک صورت حال یہ ہے کہ اسلامی مدارس اور دانش گاہوں کے فارغ التحصیل فاضل اسکالر اور علما بھی عام بھولے بھالے عوام کی طرح اس سازشی مالیاتی نظام کے فریب سے ناواقف ہیں۔ اگر انہیں اس بات کا احساس ہو بھی جاتا ہے کہ جدید مالیاتی نظام میں خرابی موجود ہے تو ان کے اندر آج کے اس دور میں بھی اتنی جرات کا اظہار نہیں ہے کہ وہ اس مالیاتی نظام کو حرام اور ناجائز قرار دیں جس میں کاغذی روپیہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔''(۸)

تبصرہ: یہ مصنف کی جانب سے علمائے کرام پر یہ سراسر بہتان ہے اور ان کیلئے غیر مناسب الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ علمائے کرام نے ہمیشہ سے ہی سودی بینکاری نظام اور غیر حقیقی معیشت کی مخالفت کی ہے اور تاریخ اس پر گواہ ہے، اس وقت بھی امتِ مسلمہ کو جس خطرناک فتنہ یعنی کرپٹو کرنسی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، اس کی سرکوبی میں یہی بوریہ نشین علمائے کرام صفِ اول میں کھڑے نظر آتے ہیں اور اس کی کھلی اور شرعی دلائل کی روشنی میں مخالفت کررہے ہیں۔ان مفتیانِ کرام کو کمپیوٹر سائنس کے انتہائی مشکل موضوع کی نہ صرف یہ کہ واقفیت ہے بلکہ ان مفتیانِ کرام کے تقوی، للّٰہیت اور رجوع الی اللہ کی بدولت اللہ رب العزت نے انہیں تقوی کی ان صفات سے نوازا ہے جس کی وجہ سے یہ شک والی چیز سے بھی کوسوں دور رہتے ہیں الحمدللہ۔ ہماری رائے میں ان ''اسلام کے مفتیوں'' کو نشانہ اس وجہ سے بنایا جارہا ہے کیونکہ یہی وہ ''اصل'' لوگ ہیں جو کہ سودی بینکاری نظام، ڈیجیٹل کرنسی، کرپٹو کرنسی، اور غیر حقیقی معیشت کے نافذ ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ راقم بحیثیتِ کمپیوٹر سائنسدان اور محقق اس بات کا شاہد ہے کہ مستند دارالافتاؤں کے پاس ایک پورا مربوط نظام ہے جس کے تحت وہ سائنس کے متعلقہ شعبے کے ماہرین سے رجوع کر کے اس سائنسی موضوع کی اصل ماہیت وحقیقت کو سمجھتے ہیں اور پھر اس کے بارے میں کوئی فتوی جاری کرتے ہیں۔

اقتباس

اس صورتِ حال سے بغاوت کرنے والی واحد شخصیت ملائیشیا کے سابق وزیراعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد کی ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس صورت حال کو سمجھا جو مغرب کی ایجاد کردہ آج کی مالیاتی نظام کی خرابیوں میں مضمر ہے بلکہ ایک انتہائی قابلِ ستائش طرزِ عمل کے ذریعے وہ کیا جس کو

کرنے کی کسی مفتی اسلام کو جرات نہیں ہوئی۔ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ سونے کے دینار کے سکے کو واپس لایا جائے اور اس نظام مالیات کو تبدیل کیا جائے جو امریکی ڈالر کے پرفریب تانے بانے سے بندھا ہوا ہے تاکہ مسلمان اپنے آپ کو اس معاشی اور مالیاتی جال کے چنگل سے نکال سکیں۔(۹)

تبصرہ: کیا مصنف کے علم میں نہیں کہ مہاتیر محمد صاحب دو مرتبہ ملائیشیا کے وزیراعظم اور کئی اہم حکومتی عہدوں پر براجمان رہ چکے ہیں؟ پھر کیوں انہوں نے عملی طور پر درہم دینار کے نظام کو ملائیشیا میں رائج نہیں کیا؟ کیوں او آئی سی یعنی اسلامی تعاون تنظیم کو اس بات پر متحرک نہیں کیا؟ کیا ملائیشیا کی وزارت مفتیانِ اسلام کے ہاتھ میں تھی؟ یعنی مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ اتنی طاقتور شخصیت جو کہ دو مرتبہ ملائیشیا کے وزیراعظم بھی رہ چکے ہوں وہ تو صرف مطالبہ پر اکتفا کریں اور سارا قصور مفتیانِ اسلام کا ہے؟ افسوس صد افسوس! مصنف کیوں ملائیشیا کے ان عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کو موردالزام نہیں ٹھہراتے جو کہ حکومتی خرچے پر کڑوروں ملیشائی رنگٹ بجٹ رکھتے ہیں اور روایتی مدارسِ دینیہ کے نظام کو تباہ کرنے کیلئے غیر معیاری پی ایچ ڈی اسکالرز فارغ التحصیل کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایتی مدارسِ دینیہ کے مفتیانِ کرام ہی ہیں جو کہ سودی بینکاری نظام کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں جن کو مصنف بلاوجہ اپنی اس کتاب میں نشانِ ہدف بنا رہے ہیں۔

اقتباس

مسلم علما اس بات پر مطمئن تھے کہ امریکی کاغذی ڈالر کو سونے کی ضمانت موجود ہے اس لیے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے مگر ۱۹۷۱ء کے بعد تو یہ ضمانت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی اور اب تو یہ قانونی چوری ایک ننگی حقیقت کے طور پر سامنے آ گئی تھی مگر ہمارے علما کو ابھی تک یہ نظام حرام نہیں لگا اور پھر پورا عالم اسلام اس گٹھ جوڑ کی اندھی تقلید میں اس پرفریب مالیاتی نظام کے بل میں داخل ہو گیا۔(۱۰)

تبصرہ: یہ بھی مصنف کی جانب سے علمائے کرام پر سراسر بہتان ہے۔ اس زمانے کے فتوی جات دیکھ لیے جائیں تو حقیقت واضح ہوجائے گی کہ علمائے کرام نے ہمیشہ غیر شرعی کاموں کی مخالفت کی ہے نیز یہ کہنا کہ ہمارے علمائے کرام کو سودی بینکاری نظام حرام نہیں لگا، یہ بھی سراسر حقائق کے منافی ہے، ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا پچاس سے زائد اسلامی ممالک کی سربراہی ان علمائے کرام کے پاس تھی؟ کیا وہ ان مسلم ممالک کے بڑے عہدوں مثلاً صدرات، وزارت وغیرہ پر متمکن تھے؟ یعنی جن کے کرنے کے یہ کام تھے ان کو مطعون کرنے کے بجائے مصنف ان بوریہ نشین علمائے کرام کو اپنا نشانہ بنا رہے ہیں جو کہ بغیر کسی وسائل کے حق بات کہتے نہیں تھکتے، کیا یہ انصاف ہے؟

مصنف کو تو چاہیے تھا کہ مصنف ان اسلامی حکومتوں کے سربراہان کے خلاف بات کرتے، ان کو ترغیب دیتے کہ وہ اپنے فرائض منصبی بجا لائیں مگر مصنف ان کو کچھ نہیں کہتے کیونکہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں کہ مقتدر قوتوں کے خلاف حق بات کہے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ یہی وہ علمائے کرام تھے جو کہ بغیر کسی لیت ولعل کے حق کا کلمہ بلند کرتے آرہے ہیں۔ آج بھی انہی علمائے کرام کو دنیا دار طبقہ مطعون کررہا کہ کیوں وہ ابھی تک اس باطل سودی بینکاری نظام کے خلاف کھڑے ہیں، میں مصنف سے یہ سوال پوچھتا ہوں کہ کیوں مصنف دنیا دار طبقے کی طرف داری کرتے ہوئے ان بوریہ نشین علمائے کرام کے خلاف غیر مناسب الفاظ استعمال کررہے ہیں؟

اقتباس

''حضرت ابوسعید الخدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک، جب سودا ایسی چیزوں کا ہو اور ادائیگی اسی وقت ہو، ایسے میں اگر کوئی زیادہ دے یا زیادہ مانگے تو انہوں نے رِبا کا ارتکاب کیا۔ لینے اور دینے والے دونوں برابر کے قصوروار ہیں۔ (صحیح مسلم) حضور نبی برحق شارح اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک تین باتوں کا وضاحت سے تعین کردیتی ہے۔ اول یہ کہ اس نے بتا دیا کہ اسلام میں روپیہ یا مال یا تو قیمتی دھات کا ہو جیسے سونا اور چاندی یا پھر ان اشیا میں جیسے گندم، جو، کھجور، نمک وغیرہ جن کی اپنی استعمالی زندگی کی حد ہوتی ہے، پھر جب مدینہ منورہ کے بازار میں سونے چاندی کے سِکوں کی کمی واقع ہوئی تو کھجور جیسی چیز جو بڑی وافر مقدار میں موجود تھی اور جسکی اپنی زندگی (Shelf Life) تھی روپے یا مال کے بدلے میں استعمال ہوئی۔ اونٹ کے بدلیاونٹ کا سودا اسلئے جائز قرار پایا کہ اونٹ کبھی بھی مال یا روپیہ کے عوض استعمال نہیں ہوا۔ کھجور کے بدلے کھجور کے غیر مساوی سودے کو روکنا اسلئے ضروری تھا کہ کھجور کو مال یا روپیہ کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اگر اس کی اجازت دیدی جاتی تو سودخوروں کیلئے سودخوری کے کاروبار کی گنجائش نکل آتی''(۱۱)

اب مال کی حقیقت کو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ مال وہ ہے جو:

☆ قیمتی دھات یا کوئی اور قابلِ استعمال چیز ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

☆ مال جس کی اپنی ذاتی قیمت ہو۔

☆ ایک ایسی چیز ہو جسے اللہ نے تخلیق کیا ہو اور اس کی قیمت خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہو جو ان تمام خزانوں کا مالک ہے۔(۱۲)

تبصرہ: یہ مصنف کی جانب سے حدیث کی غلط تشریح ہے اور اس حدیث میں مال کی صراحت موجود نہیں ہے، اگر ہم نے کسی حدیث کا صحیح مفہوم جاننا ہے تو اس کیلئے ہم محدثین کرام سے رجوع کریں گے، نیز کسی حدیث سے مسائل کا نکالنا فقہائے کرام کا کام ہے نیز مال کی تعریف بھی فقہائے کرام نے واضح طور پر بیان کی ہے لہٰذا شرعی طور پر مال کس چیز کو گردانا جائے گا، اس کیلئے شریعت میں واضح احکامات موجود ہیں۔

اقتباس: مصنف قرآنِ پاک کی درجِ ذیل آیات کا ذکر کرتے ہیں۔

''آل عمران :۷۵ ، یوسف :۲۰، آل عمران:۱۴، آل عمران:۹۱، توبہ:۳۴،
زخرف: ۳۳، ۳۴، ۵۳، النسا:۲۰ ، الانسان:۲۱ ، زخرف :۱۷ ، زخرف:۵۳ ،
فاطر:۳۳، حج:۲۳، کہف:۳۱، اسراء:۹۳''

پھر ان آیات کی تشریح کر کے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''بیشک قیامت کے دن سونے کے دینار کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے'' نیز آگے صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کر کے تحریر کرتے ہیں کہ ''اوپر درج شدہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی اللہ پاک نے تخلیق کئے اور ان کے اندر بڑی قیمت رکھ دی ہے اور یہ کہ یہ قیمت اس فانی دنیا سے بھی آگے جائے گی''
اور دوسری دنیا میں بھی کام آئے گی۔

تبصرہ: قرآنِ پاک کی آیات کی تفسیر کرنے کا اختیار مفسرین حضرات کو حاصل ہے، ہر عامی شخص اگر قرآنِ پاک کی تفسیر کرنے بیٹھے گا تو گمراہی کے دروازے کھلیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ پاک میں ان آیاتِ مبارکہ میں سونے چاندی کے درہم و دینار کا ذکر آیا ہے مگر ہر آیت کی ایک شانِ نزول ہے اور ان آیاتِ مبارکہ کو نقل کر کے یہ دلیل قائم کرنا کہ شریعت صرف سونے چاندی کے درہم دینار کو ہی مال تسلیم کرتی ہے یہ ہرگز درست نہیں اور قرآن و حدیث کی تعلیمات سے کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ حیرانگی تو یہ ہے کہ انہی آیات میں دیگر اشیا کا بھی تذکرہ ہے مثلاً عورتیں، بچے،

گھوڑے، چوپائے، کھیتیاں، ریشم کا لباس، پاکیزہ شراب، موتی وغیرہ تو ان چیزوں کو کیوں مال نہیں گردانتے؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی آیات سے کوئی حکم نکالنا حضرات علمائے کرام کا ہی کام ہے اور حضرات فقہائے کرام نے شرعی طور پر مال کی تعریف کردی ہے لہٰذا اسی پر کاربند رہا جائے اور مال کی من چاہی تشریح نہ کی جائے۔

خلاصہ

خلاصہ کے طور پر ہم پھر اپنی بات دہراتے ہیں کہ'' سونا و چاندی ثمنِ خلقی ہے اور ان کی اپنی ذاتی قدر ہے اور قرونِ اولی میں اس کا استعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اس سے متعلق فقہائے کرام نے قوانین بھی بڑے واضح انداز میں بیان کئے ہیں۔ لہٰذا اس زر کو اختیار کرنا جو سونے چاندی پر مشتمل ہو اس کو سراہنا چاہیے البتہ اس طرح کے زر کے استعمال کے متعلق شریعتِ مطہرہ نے قوانین واضح کئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر اس طرح کے زر کو فروغ دینا چاہیے۔ نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سونے و چاندی کا ذکر قرآن پاک، احادیثِ مبارکہ اور سنت سے ثابت ہے اور زر بھی ہے مگر یہ عقیدہ رکھ لینا کہ سونے چاندی کے علاوہ کوئی چیز بطور زر استعمال ہی نہیں ہوسکتی، ایسا سمجھنا مناسب نہیں ہے۔''

صرف کچھ مثالیں ہم مصنف کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ایک تحقیقی مقالہ جسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بعنوان Post-Crisis Reforms: Some Points to Ponder، جو کہ ۲۰۱۰ء میں ورلڈ اکنامک فورم، جسے اقتصادیات کا سب سے باوقار بین الاقوامی فورم سمجھا جاتا ہے، میں ۲۰۰۷۔۲۰۰۸ کے عالمی مالیاتی بحران کے بعد پیش کیا، چار بنیادی عوامل کو ظاہر کرتا ہے جن کی وجہ سے بڑے پیمانے پر معاشی بحران پیدا ہوا۔ اول یہ کہ نقدی کو اس کے بنیادی مقصد یعنی ذریعہ تبادلہ سے ہٹانا اور اسے خود تجارت کا آلہ بنانا، دوم ڈیریویٹیوز (Derivatives) کا بہت زیادہ سرائیت کر جانا، سوم یہ کہ قرضوں کی فروخت اور چہارم یہ کہ اسٹاک، اشیا اور کرنسیوں میں شارٹ سیل (Short Sales) اور بلینک سیل (Blank Sales)۔ کیا مصنف کی نظروں سے یہ مقالہ نہیں گزرا؟ کیا اتنے بڑے عالمی معاشیات کے فورم پر کسی کی ہمت ہوسکتی ہے کہ پورے کے پورے مغربی معاشی نظام کی خامیاں کو آشکارا کرے؟ کیا سودی بینکاری نظام کی اتنے صریح الفاظ میں کسی نے مذمت کی ہے؟ کیا مصنف کی نظروں سے سود پر تاریخی فیصلہ نہیں گزرا؟ کیا مصنف کی نظروں سے کتاب ''یورپ کے تین معاشی نظام'' مؤلف حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ نہیں گزری؟ کیا مصنف کی نظروں سے

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے اکابرین جن میں سید محمد یوسف بنوریؒ سے لیکر حضرت مفتی رفیق بالاکوٹی صاحب وغیرہ کا سودی بینکاری نظام کے خلاف کام نظروں سے نہیں گزرا؟ غرض مفتیانِ کرام کی ایک طویل فہرست ہے جو کہ بغیر اسباب اور وسائل کے طاقتور ملکوں کے معاشی نظام سے ٹکر لے کر سودی بینکاری نظام اور غیر حقیقی معاشی سرگرمیوں کے خلاف کام کرتے آئے ہیں۔

اگر مصنف کی خواہش ہے کہ مسلمان ممالک میں حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت کو لوٹایا جائے، سودی بینکاری نظام سے امتِ مسلمہ کو نجات ملے اور کاغذی کرنسی کے بجائے حقیقی زر یعنی ثمنِ خلقی کو مسلمان ممالک میں استعمال کیا جائے تو مصنف کو علمائے کرام کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کام کرنا چاہیے اور ان علمائے کرام کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے جو کہ اس غیر حقیقی معاشی نظام کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں۔ آخر میں مصنف سے یہی گزارش ہوگی کہ مصنف اپنی کتاب میں کہی نامناسب باتیں جو کہ شریعت کے تعلیمات کے سراسر منافی ہیں، سے رجوع کریں اور درہم و دینار کو لوٹانے کے عنوان سے مفتیانِ اسلام کی شان کی گستاخی اور عوام میں ان کے اعتماد کو مجروح کرنے سے گریز کریں۔

انٹرنیٹ پر سونے و چاندی کی آن لائن خرید وفرخت کا شرعی حکم

انٹرنیٹ پر سونے و چاندی کی آن لائن خریدوفروخت کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ پہلی صورت انٹرنیٹ پر سونے چاندی کی مروجہ خریدوفروخت بذریعہ مارکیٹ ہے مثلاً لندن کی اوور دی کانٹر مارکیٹ London OTC Market، امریکی فیوچر مارکیٹ COMEX، چائنیز مارکیٹ مثلاً شنگھائی گولڈ ایکسچینج SGE، شنگھائی فیوچرز مارکیٹ SHFE، نیویارک مرکنٹائل ایکسچینج NYMEX وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری صورت گولڈ بلین کی صورت میں سونے کی خریداری ہے۔ انٹرنیٹ پر سونے چاندی کی ان دونوں صورتوں کی خریدوفروخت کے حوالے سے بیشتر اہلِ علم اور برصغیر پاک و ہند بشمول دیگر اسلامی ممالک کے جید مفتیانِ کرام اور مستند دارالافتاء کا بہت ہی واضح موقف ہے اور یہ حضرات سونے و چاندی کی آن لائن خریدوفروخت کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا سونے چاندی کی آن لائن خریدوفروخت سے متعلق فتوی کا متن یہ ہے۔انٹرنیٹ پر جو آن لائن سونے کی خرید وفروخت ہوتی ہے یہ شرعی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس میں ادھار بھی ہوتا ہے اور قبضہ میں آنے سے پہلے دوسروں کو فروخت کر دیا جاتا ہے، یہ بیع جائز نہیں (حوالہ: فتوی نمبر (B=10/1433/1333-1726)

''مروجہ فاریکس ٹریڈنگ (کرنسی کی آن لائن تجارت) اور کموڈیٹی ٹریڈنگ (سونا چاندی اور دیگر اشیا واجناس کی آن لائن تجارت) مختلف وجوہات مثلاً: مبیع قبل القبض اور بعض

صورتوں میں مبیع معدوم ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔ (تجویز فقہی سیمینار، ادار المباحث الفقہیہ، منعقدہ: ۱۰/۱۲/ر جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ) لہٰذا اس طریقے سے حاصل شدہ آمدنی ناجائز ہے

(فتوی دارالعلوم دیوبند ویب سائٹ 159-674/H=7/1438)

اسی طرح سے جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ درجِ ذیل ہے:

''آن لائن سونے و چاندی کی خرید وفروخت مفتیانِ کرام کے مطابق شرعا درست نہیں کیونکہ ان اشیا کی بیع درست ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو اور مجلسِ عقد میں جانبین سے عوضین پر قبضہ پایا جائے اور آن لائن ہونے کی صورت میں یہ مفقود ہے، لہٰذا آن لائن صرافی جائز نہیں ہے۔ (۱۴)

جہاں تک سونے چاندی کے سِکوں کے آن لائن کاروبار کا تعلق ہے تو اس میں کئی غور طلب پہلو ہیں، اول چونکہ ان سونے چاندی کے سِکوں کا اجرا اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ اس کا رواج عام ہو، لوگ ان سونے چاندی کے سِکوں کی خرید وفروخت کریں اور ان کے ذریعے دیگر اشیا یا خدمات حاصل کریں لہٰذا یہ لازمی امر ہے کہ یہ سکے انٹرنیٹ پر فروخت کیلئے بیچے جائیں گے، لہٰذا ان سونے چاندی کے سِکوں کی خرید وفروخت میں شرعی احکامات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے اور اس کیلئے ہم گزارش یہی کریں گے کہ جید مفتیانِ کرام اور مستند دارالافتا سے اس خرید وفروخت کے احکام معلوم کر لیے جائیں۔

دوسرا اہم پہلو ان سونے چاندی کے سِکوں کی آپس میں خرید وفروخت ہے اور مفتیانِ کرام کے مطابق یہ بیع صرف کے تحت آئے گا۔ بیع صرف کا مطلب یہ ہے کہ سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض، یا ایک جنس کو دوسری جنس کے عوض فروخت کرنا (حوالہ: اسلام کا نظامِ خرید و فروخت، ترجمہ فقہ البیوع، جلد دوم، صفحہ، دارالاشاعت، کراچی)۔ بیع صرف کے موضوع پر مزید تفصیل کیلئے دیکھئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب فقہ البیوع (اسلام کا نظامِ خرید وفروخت)

بیع صرف کا حکم مفتیانِ کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ

''سونا، چاندی کی ادھار خرید وفروخت جائز نہیں، کیوں کہ یہ بیع صرف ہے جس میں ثمنین پر مجلسِ عقد میں ہی قبضہ کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ سود ہو جائے گا، اور سود کی بدترین مثال ''ربا النسیئہ'' ہے، جس کی احادیث مبارکہ میں ممانعت وارد

ہوئی ہے۔''(۱۴)

''بیع صرف میں بالاجماع تخلیہ کافی نہیں ہے بلکہ فعلاً اور حقیقۃ باہمی قبضہ ہونا ضروری ہے۔''(۱۵)

''چاندی کے ڈھلے ہوئے دراہم اور سونے کے ڈھلے ہوئے دینار میں بالاتفاق بیع صرف جاری ہوتی ہے، اگر جنس متحد ہو تو تماثل اور تقابض ضروری ہے اور اگر جنس مختلف ہو تو تماثل ضروری نہیں ہے لیکن تقابض ضروری ہے۔''(۱۶)

نیز جب ان سونے چاندی کے سِکوں کو اگر فاریکس بازار میں بیچا جائے گا (یہ تصور کر کے کہ کسی ملک نے درہم و دینار کو بطور کرنسی جاری کر دیا) تو مروجہ فاریکس بازار کے احکامات بھی مفتیانِ کرام نے واضح بیان کئے ہیں، مثلاً حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم یہ فرماتے ہیں کہ

''فاریکس بازاروں کے اکثر طریقوں میں محظورات شرعیہ موجود ہیں، ان وجوہ کی بنا پر فوریکس بازار سے شرعاً معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔''(۱۷)

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ جب ان سونے چاندی کے سِکوں کی آن لائن خرید وفروخت کاغذی کرنسی یا ڈیبٹ کارڈ وغیرہ کے ذریعے ہوگی تو اس کے احکامات بھی مفتیانِ کرام سے ہی معلوم کرنے ہوں گے تاکہ شرعی احکامات کی مکمل پاسداری کی جا سکے۔ خلاصہ یہ کہ سونے چاندی کے سِکوں کی آن لائن خرید وفروخت میں بہت احتیاط کرنی پڑے گی تاکہ شریعت کے بتائے ہوئے تمام احکامات کی مکمل پاسداری ہو سکے۔ جہاں تک سونے چاندی کے زیورات کی خرید وفروخت کا تعلق ہے تو اس کیلئے حضرت مفتی عبدالرف سکھروی صاحب مدظلہم کی کتاب ''زیورات کے مسائل'' کو دیکھ لیا جائے۔

سونے و چاندی کے سِکوں کے ڈیجیٹل ٹوکن

بعض حضرات نے سونے چاندی کے سِکوں کی آن لائن خرید و فروخت بلاک چین کے ذریعے کرنے کو تجویز دیتے ہیں۔ اب اس کے کئی طریقے ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ویب سائٹ کے ذریعے ان سونے چاندی کے سِکوں کی خرید وفروخت ہو اور اس کا اندراج بلاک چین پر کر دیا جائے یعنی بلاک چین پر صرف اور صرف سونے چاندی کے سِکوں کے فروخت کرنے اور خریدنے والے کا اندراج ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان سونے چاندی کے سِکوں کے ڈیجیٹل کوائن جاری کئے جائیں، مثلاً ہر جاری کردہ ڈیجیٹل کوائن کے پیچھے سونے چاندی کا سِکہ ہوگا یعنی یہ ڈیجیٹل کوائن

دراصل ان سونے چاندی کے سِکوں کا وثیقہ ہوگا اور پھر ان ڈیجیٹل کوائن کی خرید وفروخت ہو۔ ماضی قریب میں ایسے ڈیجیٹل ٹوکن کا اجرا ہو چکا ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ہر ٹوکن کے پیچھے سونے کی ایک مخصوص مقدار موجود ہے جبکہ حقیقتاً ایسا ہوتا نہیں ۔ نیز اس کے علاوہ بھی ان ڈیجیٹل ٹوکن کی خرید وفروخت میں شرعی احکامات کی پاسداری نہیں کی جاتی لہٰذا مفتیانِ کرام کے مطابق یہ دونوں صورتیں شریعت کے قوانین کی خلاف ورزی کر رہی ہیں اور یہ شرعاً درست نہیں۔ اگر اس سلسلے میں مزید وضاحت چاہیے تو کسی مستند دارالافتاء سے رجوع کرلیا جائے۔

چند گزارشات

اگر کوئی ملک یا قوم معاشی طور پر مضبوط ہوتی ہے تو اس کے عادات و اطوار اور معاشرت دیگر اقوامِ عالم بھی اختیار کرتی ہیں، مثلاً اگر کسی ملک کی کرنسی مضبوط ہے تو اسے بطور آلہ مبادلہ دوسرے ملک کے شہری اختیار کرتے ہیں جیسے ڈالر، یورو، جاپانی ین وغیرہ۔ ریزرو کرنسی (Reserve Currency) ہی کی مثال لے لیجئے، پوری دنیا کے سینٹرل بینک ان ریزرو کرنسیوں کے ذخائر اپنے پاس رکھتے ہیں اور دیگر ممالک کے عوام ان کرنسیوں کو محفوظ کرتے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund) (IMF) نے ایک ''زرمبادلہ نکالنے کا حق ایس ڈی آر'' (Special Drawing Rights) (SDR) بنایا ہے۔ یہ ایس ڈی آر دراصل عالمی ریزرو اثاثہ ہے، یہ کرنسی نہیں ہے مگر اس کی قدر پانچ کرنسیوں کی باسکٹ پر مبنی ہوتی ہے جن میں امریکی ڈالر، یورپ کا یورو، جاپانی ین، چائنا کا رین منبی اور برطانوی پونڈ شامل ہیں، آئی ایم ایف اعداد وشمار جاری کرتا ہے جسے زر مبادلہ کے ذخائر کا مرکب Currency Composition of Foreign Exchange Reserves (COFER) کہا جاتا ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۲۴ء کے پہلے سہ ماہی میں پوری دنیا کے زرمبادلہ کے ذخائر کا جو تناسب ہے اس میں امریکی ڈالر تقریباً اٹھاون فیصد، یورو تقریبا بیس فیصد، جاپانی ین تقریباً چھ فیصد، برطانوی پاؤنڈ تقریبا پانچ فیصد حصہ شامل ہے اور باقی دیگر کرنسیاں ہیں۔ پاکستان کی ہی مثال لے لیجئے، اسٹیٹ بینک آف پاکستانی زرمبادلہ کے ذخائر امریکی ڈالر میں بیان کرتا ہے۔ان تمام اعداد وشمار اور تفصیلات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مضبوط معیشت کے حامل ممالک کی کرنسیاں عالمی طور پر تجارت اور ریزرو کیلئے اختیار کی جاتی ہیں ، اگر مسلمان ممالک معاشی طور پر مضبوط ہوتے اور ان میں اتحاد ہوتا تو دنیا ان مسلمان ممالک کی کرنسیوں کو بھی بطور آلہ مبادلہ اختیار کریگی لہٰذا ہمیں ان اسباب پر محنت کرنی چاہیے جن کے ذریعے سے ہم اپنی معیشت کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت کو عملی طور رائج کرنے اور معاشی استحکام حاصل کرنے کیلیئے ہمارے کرنے کے کیا کام ہیں؟ نیز اسلامی ممالک اور خاص طور پر پاکستانی معیشت کومضبوط کرنے کیلیئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دیکھیئے، ہمارے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے اور بہت واضح اور عملی اقدامات تجویز کئے ہیں جن کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ہمیں نئے سرے سے کوئی بات یہاں بتانے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ہم انہی اکابرین علمائے کرام کی باتوں کا خلاصہ ذیل میں پیش کررہے ہیں۔عملی طور پر ہم جن باتوں کا اہتمام کرسکتے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں۔

☆ معاشی طور پر مسلمان ممالک اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور اسلامی نظام معیشت رائج کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اپنے اوپر انفرادی سطح پر محنت کرنی پڑے گی، ہمیں خود پورے کے پورے دین پر عمل کرنے والا بننا پڑے گا۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں امانت داری، فرض شناسی، اور اخلاص پروان چڑھے گا اور رشوت خوری، فرائض منصبی سے غفلت اور دیگر معاشرتی بیماریوں کا سدِ باب ہوسکے گا۔

☆ ہم بحیثیتِ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں کما حقہ ادا کریں۔ہم جس شعبے میں بھی کام کررہے ہوں اس شعبے میں پورے اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ کام انجام دیتے رہیں۔ ہماری نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہمارے ملک اور دین کا بھلا ہو اور انسانیت کو بھی ہمارے کام سے فائدہ پہنچے۔ جتنا زیادہ ہمارے کام میں اخلاص، دیانتداری، للّٰہیت، اور فنائیت ہوگی، اتنی ہی زیادہ اللہ پاک ہمارے کام میں برکت دے گا (ان شااللہ)

☆ ہم اپنے شعبے کے اندر کمال حاصل کرنے کی کوشش کریں یعنی ہمارے کام کا معیار عالمی سطح کا ہو اور بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا جائے۔

☆ ہم اپنی اولاد کی دینی تربیت کریں اور اس کیلیئے علمائے کرام سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں، گھر میں روزانہ تعلیم کا معمول ہو، ان سارے اعمال سے ان شااللہ بچوں کے اندر دینی غیرت وعزیمت باقی رہے گی اور ایک وقت آئے گا کہ جب اگلی نسل مزید طاقت وقوت کے ساتھ دین پر عمل کرنے والی اور دینی فکر والی ہوجائے گی۔

☆ ایسے صاحبانِ علم (معاشی ماہرین) تیار کئے جائیں جو معاشیات کے موضوع پر مکمل گرفت رکھتے ہیں اور ان کے عقائد ونظریات بھی درست ہوں تا کہ وہ علمی طور پر مزید کام کریں اور انسانیت کے سامنے حقیقی معیشت کو اختیار کرنے کے فوائد واضح ہوں۔

☆ معاشی میدان میں مسلمان عالمی سطح پر اپنا لوہا منوائیں، آجکل بے تحاشہ صاحبانِ علم فنانس اور علمِ معاشیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے رہے ہیں مگر ان حضرات کی کوئی عالمی سطح پر سائنسی معاشی میدان میں وقعت نہیں الا ماشااللہ اور عالمی معیار کا تحقیقی کام انہوں نے نہیں کیا، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ علمِ معاشیات کی تحقیق میں اپنا لوہا عالمی سطح پر منوایا جائے۔ ہم یہ عرض کررہے ہیں کہ جب کچھ صاحبانِ علم نے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرلیں ہیں، ڈاکٹر بھی اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو وہ معاشی ماہرین بھی گردانتے ہیں تو وہ اپنی ذمہ داریوں کا بھی ادراک کریں اور عالمی سطح کی معیاری تحقیق کریں، محض پیسوں کے عوض تحقیقی مقالے چھپوا کر اعلیٰ عہدوں کے حصول کی دوڑ میں نہ پڑیں، اس کیلئے پہلے ہی پورے پاکستان میں عصری تعلیمی اداروں کے پروفیسروں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اگر آپ نے معاشیات میں پی ایچ ڈی کی ہے تو یہ آپکی ذمہ داری ہے کہ اخلاص کیساتھ، اعلی معیار کی تحقیق کو پروان چڑھائیں اور آپکی اعلی معیار کی تحقیق دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں شائع ہو، یہ بھی کوشش کی جائے کہ اگر آپ علمِ معاشیات پر تحقیق کررہے ہیں تو نوبل پرائز کے معیار کی تحقیق کو پڑھا جائے اور نوبل پرائز کے معیار کی تحقیق کی جائے اور اسے ان ہی عالمی معیار کے سائنسی جرائد میں چھپوایا جائے جو کہ بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ ہیں۔ پاکستان اور عالمی سطح پر موجود پیسوں کے عوض چھپوانے والے غیر معیاری سائنسی جرائد میں اپنی سائنسی تحقیقی مقالے چھپوانے سے گریز کیا جائے۔

خلاصہ کلام

کراچی کی صرافہ مارکیٹ سے لے کر دبئی، دوحہ، ریاض، منامہ، کویت شہر، بغداد، کوالا لمپور اور جکارتہ میں موجود سیکڑوں جیولری اور سونے چاندی کے کاروبار کرنے والوں کو کسی نے ہرگز نہیں روکا کہ وہ اپنا کاروبار نہ کریں البتہ اگر یہی کاروباری لوگ اور سینکڑوں دکانوں کے مالک اپنے ذاتی مفاد کیلئے دین کا نام استعمال کرتے ہوئے اپنے کاروبار کو وسعت دینا چاہیں تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا، آخر میں ہم دردِ دل کے ساتھ یہی گزارش کرتے ہیں کہ اگر کسی کو اپنے سونے چاندی کے کاروبار کو کرنا ہے تو شوق سے کیجئے اور ہم اس کے کاروبار میں برکت کیلئے دعا گو بھی ہیں مگر اپنے کاروبار کی بڑھوتری کیلئے دینِ اسلام کا نام استعمال نہ کیجئے اور قوم کو ایسی امید نہ دلایئے جس کی کوئی اصل اور بنیاد ہی نہ ہو نیز یہ بھی دعوی نہ کریں کہ آپ کی دکان سے خریدے گئے سونے و چاندی کے نقش کندہ سِکوں سے

پوری دنیا میں اسلامی نظام واپس آجائے گا اور معاشرے میں مساوات اور عدل پیدا ہوگا۔ اگر واقعی سنجیدگی سے اسلامی ممالک کو اور خاص طور پر پاکستان کو مضبوط بنانا ہے تو اس کیلئے پاکستانی معیشت کو مضبوط بنانا ہوگا اور اس کیلئے اکابر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام نے پہلے ہی سے تجاویز دے رکھی ہیں جن پر عمل کر کے اسلامی ممالک عمومی طور پر اور پاکستان بالخصوص اپنی معیشت کو مضبوط بنا سکتا ہے۔ ان تجاویز میں سے ایک اہم تجویز موجودہ سودی نظام سے چھٹکارا ہے۔

ذیل میں ہم بطور خلاصہ اہم نکات پیش کر رہے ہیں:

☆ کسی مسلمان کی سونے و چاندی کے سِکوں کو بیچنے والی کمپنی ہو یا زیورات کی دکان، برطانیہ کی رائل منٹ کمپنی ہو یا امریکہ کی یونائیٹڈ اسٹیٹس منٹ، محض ان لوگوں اور اداروں کا سونے و چاندی کے سِکوں پر مہر نبوت، قرآنی آیات و دینی عبارات، خلفائے راشدین کے نام و دیگر اسلامی تاریخ کی اہم شخصیتوں کے ناموں کو کندہ کر کے ان کی خرید وفروخت سے اسلامی نظامِ معیشت واپس لانے کا تاثر لینا قطعاً مناسب نہ ہوگا اور نہ ہی ''ان نقش کندہ سونے کے سِکوں کی مدد سے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ڈالر کی اجارہ داری ختم کی جاسکتی ہے'' اور اس طرح کے بلند بانگ دعوی کرنا سائنسی، معاشی و تکنیکی طور پر بھی درست نہیں۔

☆ اسلام کے ابتدائی دور میں مالیاتی لین دین اگرچہ سونے چاندی کے سِکوں کے ذریعے ہی ہوتا تھا، اور سونے چاندی کے زر ہونے کی صلاحیت مسلمہ حقیقت ہے، لیکن مفتیانِ کرام کے مطابق شریعت نے زر ہونے کے لیے سونے چاندی کے سکوں کی شرط نہیں لگائی ہے۔ نیز درہم و دینار کو ہی صرف مسلمانوں کی کرنسی کے طور پر سمجھنا مناسب نہیں ہے۔ مفتیانِ کرام کے مطابق شریعت نے کسی چیز کو ثمن قرار دینے پر کوئی قید نہیں لگائی، البتہ ثمنیت متحقق ہونے کیلئے اس چیز کا شرعی طور پر مال ہونا شرط ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔ نیز یہ اصول بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسلام حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت کو فروغ دیتا ہے اور فرضی تخیلاتی معیشت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

☆ شریعتِ اسلامی میں تخلیقِ زر اور بالخصوص سونے چاندی سے زر کی تخلیق، ان کی بیع و شرا سے متعلق اصول واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں، خاص طور پر بیع صرف کے احکامات بہت ہی واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں لہٰذا ان احکامات کو جاننے کیلئے مستند دارالافتاء سے رجوع کیا جائے اور انہی کے بتائے گئے شرعی طریقہ کار پر عمل کیا جائے۔

☆ موجودہ دور میں کسی چیز کی ثمنیت حکومتی قانون کی رو سے عمل میں آتی ہے اور حکومتی اعلان سے ثمنیت ختم ہوجاتی ہے، عوام کا اس بارے میں کسی قسم کا عمل دخل نہیں ہے نیز آجکل کے دور میں ''کرنسی'' جاری کرنے کا شرعی وقانونی طور پر اختیار حکومتِ وقت کو ہے۔

☆ کاغذی کرنسی کو عالمی سطح پر رائج کرنے کے بعد ترقی یافتہ ممالک کی حکومتوں کی جانب سے ڈیجیٹل کرنسی جنہیں سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی (سی بی ڈی سی) بھی کہا جاتا ہے، کے اجرا کی کوششیں کی جاری ہیں۔ ایسی تمام کوششوں کے آگے مضبوط بند باندھنے کی ضرورت ہے۔ اصل کام اسلامی ممالک کی حکومتوں کا یہ ہے کہ وہ درہم و دینار کے لوٹانے کی کوششوں کو مربوط طریقے سے کریں تاکہ حقیقی معیشت کو دنیا میں فروغ ملے چہ جائیکہ کاغذی کرنسی کے بعد ڈیجیٹل کرنسی کو اختیار کرلیا جائے۔

(حواشی)

(۱) (حوالہ: موسوعہ فقہیہ، کویت جلد۲۰، صفحہ۲۸۳، اردو ترجمہ مجمع الفقہ الاسلامی الہند)
(۲) (حوالہ: کوائن آف اسلامک ورلڈ، پبلک آکشن سیل، اسٹیکس)
(۳) (حوالہ: اسٹیفن البم، چیک لسٹ آف اسلامک کوائن، تیسرا ایڈیشن، نومبر۲۰۱۱)۔
(۴) (حوالہ: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، فقہ البیوع اسلام کا نظامِ خرید وفروخت، ج دوم، ص۱۴۴، دارالاشاعت کراچی)
(۵) (حوالہ: فتوی نمبر 144411100008، دارالافتا جامع العلوم الاسلامیہ، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی)
(۶) (حوالہ: مارک کارنی، ویلیوز، سگنل،۲۰۲۲)
(۷) (حوالہ کتاب: ٹوکنز: دی فیوچر آف منی ان دا ایج آف دی پلیٹ فارم، ورسو،۲۰۲۳)
(۸) (حوالہ: درہم ودینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص۳)
(۹) (حوالہ: درہم ودینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص۳)
(۱۰) (حوالہ: درہم ودینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص۱۵)
(۱۱) (حوالہ: درہم ودینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص۷)
(۱۲) (حوالہ: درہم ودینار مستقبل کے اسلامی سکے، ص۷)
(۱۳) (حوالہ: فتوی نمبر: 144507101378 جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان)
(۱۴) (حوالہ: فتوی نمبر:144411102539 جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی،)
(۱۵) (حوالہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اسلام کا نظامِ خرید وفروخت، ترجمہ فقہ البیوع، ج۲، ص۱۱۰، دارالاشاعت کراچی)
(۱۶) (ایضاً)
(۱۷) (حوالہ: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اسلام کا نظامِ خرید وفروخت، ترجمہ فقہ البیوع، ج۲، ص۱۸۱۔۱۸۳ دارالاشاعت، کراچی)

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

دوروزہ قومی کانفرنس کی مختصر روداد

بعنوان مسلح تصادم میں شہریوں کا تحفظ: اسلامی نقطہ نظر اور عدلیہ کا کردار

۱۲/اکتوبر ۲۰۲۴ کو محترم جناب ثاقب جواد صاحب کا فون آیا اور کہا کہ آپ کا نمبر ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی صاحب نے دیا ہے ۲۰۔۲۱ نومبر کو فیڈرل جوڈیشنل اکیڈمی اسلام آباد میں آئی سی آر سی کے اشتراک سے دوروزہ قومی کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے، واٹس اپ پر موضوعات بھیج رہا ہوں کسی ایک موضوع پر خلاصہ تحریر کرکے ای میل پر بھیج دیں، تھوڑی دیر میں انہوں نے موضوعات بھیجے، ان میں سے راقم الحروف نے ''اسلام میں انسانیت اور انسانی اقدار کا تصور: ایک تعارف'' منتخب کیا۔ خلاصہ کی منظوری کے بعد مضمون لکھ کر بھیجا اور کانفرنس میں شرکت کے لیے دعوت نامہ ملا، چنانچہ ۱۹۔نومبر کی شام کو جوڈیشنل اکیڈمی پہنچا، برادر محترم حضرت مولانا مفتی اسد اللہ خان پشاوری صاحب کو کال کی وہ پہلے سے اکیڈمی پہنچے ہوئے تھے، ان سے ہاسٹل کے متعلق پوچھا انہوں نے کمرے تک رہنمائی فرمائی اور کچھ دیر گپ شپ ہوئی۔

پہلے دن ناشتہ کے بعد بدھ ۲۰ نومبر کو کانفرنس ہال پہنچا، تقریبا تمام شرکا پہنچے ہوئے تھے اپنی نشستوں پر بیٹھنے کے بعد کانفرنس کا باقاعدہ آغاز مولانا مفتی اسد اللہ خان پشاوری کی تلاوت سے ہوا، بعد ازاں جناب سید حیات علی شاہ صاحب (جو کہ فیڈرل جوڈیشل اکیڈمی اسلام آباد کے سربراہ اور پشاور ہائی کورٹ کے سابق جج ہیں) نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور جناب نیکولا لمبرٹ سربراہ آئی سی آر سی اسلام آباد نے افتتاحی خطاب کیا۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔ اس کے بعد پہلی نشست کا آغاز ہوا جس کا عنوان ''جنگ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات'' تھا۔ اس نشست کی صدارت اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین حضرت علامہ ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی صاحب کر رہے تھے، انہوں مقالات کے خلاصہ جات پیش کرنے کے لیے قواعد وضوابط بیان کیے اور وقت کا تعین بھی کیا، سب سے پہلے اس کانفرنس کے روح رواں محترم جناب ڈاکٹر ضیا اللہ رحمانی صاحب نے اپنے مقالہ کا خلاصہ ''جنگ کے دوران شہریوں کا تحفظ: بین الاقوامی قانون انسانیت اور آئی سی آر سی کا کردار'' کے موضوع پر پیش کیا۔ جس میں انہوں نے انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس کا تعارف

کیا، یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جس کا مرکزی دفتر جینوا سوئٹزرلینڈ میں ہے۔اس کا دائرہ عمل پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، یہ ایک غیر جانبدار اور خودمختار ادارہ ہے، اس تنظیم کی بنیاد ایک تاجر ہنری دوناٹ نے ۱۸۶۳ء میں رکھی تھی، دراصل ۱۸۵۹ء میں ہنری نے ایک سفر کے دوران ایک جنگ کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا اور جذبہ انسانیت کے تحت مقامی آبادی سے زخمیوں کو فوری طبی مدد پہنچانے کی اپیل کی تھی۔اس واقعہ کو ہنری نے کتاب کی شکل میں شائع کیا اوراس میں تجویز بھی پیش کی کہ ایک ایسی امدادی تنظیم قائم کی جائے جو دوران جنگ زخمیوں کو بلاتفریق طبی امداد پہنچائے۔اسی تنظیم نے آئی سی آر سی کی شکل اختیار کی اوراس کے قوانین بنے جسے آئی ایچ ایل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عالمی قانون انسانیت (International Humanitarian Law - IHL)، ایک ایسا قانونی نظام ہے جو مسلح تنازعات کے دوران انسانی وقار کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ قوانین خاص طور پر جنگ میں متاثرہ افراد، جیسے کہ زخمی فوجیوں، بیماروں، جنگی قیدیوں، اور عام شہریوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔عالمی قانون انسانیت کے بنیادی اصول یہ ہیں:(۱) امتیاز کا اصول: جنگی کارروائیوں میں فوجی اہداف اور شہریوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔شہریوں یا شہری اشیا کونشانہ بنانا ممنوع ہے۔(۲)ضرورت کا اصول: صرف وہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں جوفوجی مقاصد کے لیےضروری ہوں۔(۳) تناسب کا اصول: جنگی کارروائیوں میں شہری نقصان کوکم سے کم رکھنا چاہیے، اور نقصان کوفوجی فائدے کے تناسب میں رکھنا ضروری ہے۔(۴)انسانیت کا اصول: زخمیوں، بیماروں، اور قیدیوں کے ساتھ انسانی ہمدردی سے پیش آنا ضروری ہے۔عالمی سطح پراس تنظیم نے چند اہم معاہدے بھی کئے ہیں جس کی تفصیل مختصراً پیش کی جاتی ہے:

(۱) جنیوا کنونشنز: یہ چار معاہدے ہیں جو ۱۹۴۹ء میں طے پائے اور مسلح تنازعات میں انسانی تحفظ کی وضاحت کرتے ہیں۔زخمی اور بیمار فوجیوں کا تحفظ (زمینی جنگ کے دوران)۔زخمی، بیمار، اور جہاز تباہ ہونے والے بحری جنگی افراد کا تحفظ۔جنگی قیدیوں کے حقوق۔شہریوں کا تحفظ، خاص طور پر مقبوضہ علاقوں میں۔(۲) اضافی پروٹوکولز (۱۹۷۷۔۲۰۰۵) جنیوا کنونشنز کو مزید وسعت دیتے ہیں۔انہوں نے مزید بتایا کہ آئی ایچ ایل کی اہمیت یہ ہے کہ یہ انسانیت کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے، جنگی قوانین کی خلاف ورزی پر سزا کا تعین کرتا ہے۔عالمی امن اور انسانی حقوق کے فروغ میں کردارادا کرتا ہے، آئی ایچ ایل کے نفاذ کی ذمہ داری اقوام متحدہ، انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس (ICRC)، اور دیگر عالمی اداروں کیساتھ ساتھ ریاستوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔اسکے بعد راقم نے ''اسلام میں انسانیت اور انسانی وقار کا تصور، ایک تعارف'' کے موضوع پر اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کیا اس طرح کے کانفرنس میں شرکت کا یہ پہلا اتفاق تھا، اس

وجہ سے پریزنٹیشن کی تیاری پوری نہیں تھی، البتہ مقالے کا اول و آخر پڑھ کر سنایا۔ بعد ازاں دیگر حضرات نے مختلف نشستوں میں اپنے مقالات کے خلاصے پیش کئے جن میں ڈاکٹر عزیز الرحمٰن، ڈاکٹر محمد ثانی، ڈاکٹر مشتاق احمد، ڈاکٹر محمد رفیق شنواری اور مفتی اسد اللہ خان وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

جمعرات ۲۱ نومبر چوتھی نشست کی صدارت محترم جناب ڈاکٹر احمر بلال صوفی صاحب نے کی (صوفی صاحب ملک کے معروف ومشہور قانون دان اور کئی کتابوں کے مصنف ومولف ہیں، حال ہی میں ان کی کتاب ''قرآنی معاہدات'' برادر محترم مولانا محمد اسرار مدنی صاحب نے اپنے ادارہ ''مجلس تحقیقات اسلامی'' سے شائع کی ہے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شعبہ تخصص فی التفسیر میں یہ کتاب شامل نصاب بھی ہے)اس کے بعد پانچواں اور آخری سیشن تھا جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق احمد صاحب کر رہے تھے،اس میں بھی منتخب مقالہ نگاران نے اپنے مقالے پیش کئے اور سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

اختتامی سیشن مقالات کے بنیادی سیشنز ختم ہونے کے بعد اختتامی سیشن میں ڈاکٹر عطا الرحمٰن صاحب نے تلاوت کی، جبکہ جناب سید حیات علی شاہ صاحب نے اپنے تاثرات پیش کیے، انہوں نے فرمایا کہ یہ دو دن آپ لوگوں یہاں پر موجود تھے، آپ کی بدولت یہاں انوارات برس رہے تھے، آپ لوگوں سے عرض ہے کہ یہ باتیں آپ جا کر لوگوں میں بھی عام کریں۔ ڈاکٹر ضیا اللہ رحمانی صاحب نے کلمات تشکر پیش کیے، پروگرام کے لیے محنت کرنے والے جملہ منتظمین کا نام لے کر شکریہ ادا کیا جس میں بطور خاص جناب ثاقب جواد صاحب کا شکریہ ادا کیا۔اور آخر میں مہمان خصوصی ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب نے کلیدی خطبہ پیش کیا اس کے بعد اس کانفرنس کا اختتام ہوا۔

''من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ'' کے پیش نظر محترم جناب ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی صاحب اور محترم جناب ثاقب صاحب (سول جج اسلام آباد) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جن کی شبانہ روز محنتوں کی بدولت اس قدر علمی و تحقیقی کانفرنس کا انعقاد ممکن ہوا اور ہم طالب علموں کو اہل علم وفضل کے ساتھ بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر محمد راغب نعیمی صاحب کے عجز وانکسار، ڈاکٹر مشتاق احمد کے وسعت مطالعہ و حاضر جوابی، ڈاکٹر رحمانی وثاقب جواد صاحبان کے حسن انتظام اور جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب کی وسعت ظرفی واصاغر نوازی نے بے حد متاثر کیا، اللہ کانفرنس کے سب شرکاء کو سلامت با کرامت رکھے اور علم و تحقیق کے میدانوں میں ان سب سے مزید تعمیری کام لے (آمین)

صاحبزادہ عبدالحق ثانی

دارالعلوم کے شب وروز

گورنر خیبر پختونخوا فیصل کریم کنڈی کی نائب مہتمم مولانا حامد الحق حقانی سے ملاقات

۲۹رنومبر: گورنر خیبر پختونخوا فیصل کریم کنڈی والد محترم حضرت مولانا حامد الحق حقانی مدظلہ امیر جمعیت علما اسلام و نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ گورنر نے ۵ر دسمبر کو گورنر ہاؤس پشاور میں ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جسے حضرت والد صاحب مدظلہ نے قبول کیا، کانفرنس کا عنوان صوبائی حقوق و امن امان سمیت دیگر اہم ایشوز پر لیڈر شپ کا اظہار خیال تھا، ملاقات میں ملکی اور صوبائی سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ بعد ازاں دونوں رہنماؤں نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب بھی کیا۔ اس موقع پر مولانا سید محمد یوسف شاہ، حافظ عبدالرفیع، راقم عبدالحق ثانی، حاجی نور حبیب و برادران و دیگر حضرات شریک تھے۔ سفر عمرہ کی وجہ سے مرکزی امیر مولانا حامد الحق حقانی مدظلہ کانفرنس میں شرکت نہ کرسکے جبکہ ان کی نمائندگی جماعتی وفد مولانا سید یوسف شاہ، صوبائی امیر مولانا عبدالوحد، مولانا عرفان الحق، حافظ عبدالرافع صاحبان نے اجلاس میں شرکت کی اور اپنی تجاویز پیش کیں۔ جس پر گورنر کے پی جناب فیصل کریم کنڈی صاحب نے شکریہ ادا کیا۔

بین الاقوامی شہرت یافتہ دانشور پروفیسر ڈاکٹر حسن عباس کی دارالعلوم آمد

۱۵ر دسمبر بروز اتوار عالمی امور کے ماہر پروفیسر ڈاکٹر حسن عباس صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، آپ کے ہمراہ مولانا محمد اسرار مدنی صاحب (چیئرمین انٹرنیشنل ریسرچ کونسل فار ریلیجیئس افیئرز) اے ایس پی عامر شہزاد صاحب اور مولانا تحمید جان حقانی تھے، مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا اور اپنے دفتر میں تفصیلی ملاقات کے بعد دارالعلوم کی وسیع وعریض جدید لائبریری میں شعبہ تخصصات کے شرکا کو جناب ڈاکٹر حسن عباس صاحب نے '' عالمگیریت اور مسلم فکر کو درپیش چیلنجز، مواقع و امکانات'' کے موضوع پر تقریبا سوا گھنٹہ پرمغز علمی لیکچر دیا۔

حضرت نائب مہتمم صاحب مدظلہ کی مصروفیات

۲۹رنومبر: اکوڑہ خٹک میں علاقائی مسائل کے حل کیلئے منعقدہ ''قومی جرگہ'' میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ ۲۱رنومبر: والد محترم مدظلہ ایک روزہ دورہ پر پشاور تشریف لے گئے جہاں جمعیت علمائے

اسلام (س) ضلع پشاور کے زیر اہتمام ''خدمات حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کانفرنس'' وشمولیتی تقریب میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ ۳۰؍نومبر: پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سینیئر مرکزی رہنما رکن قومی اسمبلی جناب شیخ آفتاب احمد صاحب حضرت نائب مہتمم مدظلہ سے ملاقات کیلئے اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ ملکی سیاسی صورتحال اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ۲؍دسمبر: والد محترم مدظلہ ایک روزہ دورہ پر ضلع کرک تشریف لے گئے جہاں جمعیت علمائے اسلام (س) ضلع کرک کے زیر اہتمام ''خدمات مولانا سمیع الحق شہیدؒ کانفرنس'' میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ آپ کے ہمراہ مولانا سید یوسف شاہ، مولانا اسامہ سمیع، مولانا خذیمہ سمیع صاحبان تھے۔

حضرت نائب مہتمم صاحب کا سفر عمرہ

۴؍دسمبر کو حضرت نائب مہتمم مدظلہ سفر عمرہ کیلئے تشریف لے گئے، راقم عبدالحق ثانی، جناب حاجی نور حبیب اور مولانا حافظ راشد الحق کے صاحبزادے حافظ محمد احمد اس مبارک سفر میں ہمراہ تھے۔ انہوں نے ملک وملت وامت مسلمہ کیلئے خصوصی دعائیں مانگیں، مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی ترقی اور حفاظت کیلئے بھی خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔

وفیات: ۲۲؍دسمبر: جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل، جید عالم دین، سابق رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا خلیل احمد مخلصؒ کی وفات پر تعزیت کے لئے ان کے گاؤں کوٹھا صوابی تشریف لے گئے جہاں مرحوم کے صاحبزادے واہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کیا اور مرحوم کی بلندی درجات کیلئے دعا کی۔

۱۶؍دسمبر کو دارالعلوم کے درجہ سادسہ کے طالب علم مولوی ضیاء الرحمٰن (دیر) ریل گاڑی حادثہ میں شہید ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

۲۳؍دسمبر: حضرت دادا جان مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے دیرینہ ساتھی اور عاشق جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی رہنما الحاج رحیم اللہ خان چیئرمین صاحب کی وفات پر ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے خار بٹ خیلہ تشریف لے گئے۔ جہاں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کے صاحبزادگان سے تعزیت کا اظہار کیا۔ ۳۰ دسمبر: جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور حقانی خاندان کے مخلص ساتھی ومحبّ حضرت مولانا میاں محمد نسیم حقانی طویل علالت کے بعد وفات فرما گئے۔ مرحوم کی نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب نے پڑھائی، نائب مہتمم صاحب مدظلہ نے جنازہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے مرحوم کی دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ جنازہ میں خاندانِ حقانی کے جملہ ارکان مولانا راشد الحق، مولانا عرفان الحق صاحبان وغیرہ واساتذہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ نے شرکت کی۔

مولانا محمد اسلام حقانی
نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

تعارف و تبصرہ کتب

● **رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم** مصنف: علامہ سید سلیمان ندویؒ

ضخامت: ۱۵۱ صفحات ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

آ قائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر جس طرح عربی زبان میں بے شمار کتابیں مقالات اور مضامین لکھیں گئیں ہیں اسی طرح اردو زبان بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی کتابوں مقالات اور مضامین سے مالا مال ہیں، اردو زبان میں سیرت نبوی پر جید اہل علم وقلم نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں ہیں، اردو زبان میں سیرت نگاری کے فہرست میں علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کا نام سرفہرست ہے، انہوں علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبیؐ کی تکمیل کی ''خطبات مدراس'' کے نام سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر علمی انداز میں شاندار خطبات دیئے۔

زیر تبصرہ کتاب ''رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی علامہ سید سلمان ندوی کی تصنیف لطیف ہے جو انہوں نے بچوں کے لئے لکھی، اس کتاب میں انہوں نے بچوں اور عام پڑھے لکھے لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق سیرت النبی کو مختصر مگر جامع انداز میں نہایت سہل اور سادہ زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ بچے اور عام پڑھے لوگ بھی سیرت طیبہ سے آسانی سے مستفید ہوکر سیرت طیبہ کی نور سے منور ہو جائیں اور اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، ادارہ زمزم پبلشرز کراچی نے اس بہترین کاوش کو اعلی انداز میں شائع کیا ہے۔ اس اعلیٰ طباعت پر ادارہ زمزم لائق صد تحسین ہے۔

● **قرآنی معاہدات: اللہ اور انسانوں کے تعلق کے قانونی زاویے** مصنف: احمر بلال صوفی

اردو ترجمہ: جناب شفیق منصور ضخامت: ۶۷۱ صفحات ناشر: انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور اسلام آباد

محترم جناب ڈاکٹر احمر بلال صوفی صاحب ایک عالم فاضل، صاحب مطالعہ، جنوبی ایشیا کے ایک معروف بین الاقوامی وکیل اور قانون دان کے طور پر جانی پہچانی شخصیت ہیں، آپ کے پاکستان کے وفاقی وزیر قانون بھی رہ چکے ہیں، اس وقت موصوف پیرس کی ''بین الاقوامی عدالت برائے ثالثی'' کے رئیس ہیں،

آپ قانون کے استاد ہیں اور انٹرنیشنل سطح پر قانون کے متعلق لیکچرز دے رہے ہیں اور ''ریسرچ سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء'' کے مؤسس بھی ہیں، بین الاقوامی قوانین کے حوالے سے آپ وسیع مطالعہ اور تجربہ رکھتے ہیں، قرآنی قوانین و معاہدات کے تناظر میں بین الاقوامی قوانین کا مطالعہ و تحقیق کرتے رہتے ہیں، اس حوالے سے انہوں نے اپنے تجربات،تحقیقات اور مطالعات کو انگریزی زبان میں قلمبند بھی کیا ہے جو Quranic covenants an introduction کے نام سے شائع کرکے منظر عام پر آیا ہے، مولانا اسرار مدنی صاحب کے ایما و تحریک پر جناب شفیق منصور صاحب نے اس اہم اور منفرد کتاب کا اردو ترجمہ کیا اور انہوں نے اپنے ادارے انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور سے شائع بھی کیا۔

زیرتبصرہ کتاب ''قرآنی معاہدات'' کا مدعی یہ ہے کہ قرآن کریم جس طرح انسانی زندگی کے دیگر امور سے گفتگو کرتا ہے اسی طرح قرآن کریم کا ایک قانونی پس منظر بھی ہے یہ قانونی پس منظر صرف ان امور سے متعلق نہیں جو ریاستی اتھارٹی کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں بلکہ ریاستی دائرہ اختیار سے باہر بھی قرآں کریم کے جتنے بھی آیتیں ہیں گویا وہ بیشتر آیاتیں اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیاں عہد و معاہدے کی حیثیت اختیار کرتی ہے، اس کاوش میں مصنف موصوف نے قرآن مجید میں ذکر کئے گئے معاہدات کو موضوع بحث بنایا ہے، قرآن کریم کو پڑھتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے آتے ہیں جہاں وعدوعید جزا سزا اور اللہ کا انسانوں سے تعلق کا ذکر آتا ہے تو اس پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبد اور معبود کے درمیان عہد و معاہدے کی بات ہورہی ہے۔صوفی صاحب نے اس طرح کی آیاتوں کی خاص تفہیم عہد و معاہدات کے تناظر میں کرتے ہوئے اس کی تشریح کی ہے اور مختصر انداز میں آیات معاہدات کی توضیح پیش کی ہے۔صوفی صاحب نے اس کاوش میں ایک ایسا منفرد پہلو پیش کیا ہے جس کی طرف اہل علم وقلم کی توجہ بہت کم مبذول ہوئی ہوگی، اپنے موضوع پر یہ ایک بہترین کاوش ہے، مدیراعلیٰ مولانا راشدالحق صاحب نے بھی اس کی اشاعت سے قبل اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔مترجم نے ایسا سلیس، عام فہم اور آسان ترجمہ کیا ہے کہ قاری کو اس پر ترجمے کا گماں ہی نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ مصنف،مترجم اور ناشر کی یہ کوشش اور کاوش امت کیلئے نافع ثابت فرمائے (آمین)

- **سیرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم** مصنف: پیر محمد طاہر حسین قادری

ضخامت: ۲۴۴ صفحات ناشر: کتب خانہ ابن کرم ریاض الکرم اسلامک اکیڈمی خانقاہ منگانی شریف جھنگ

سردار دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ایک جلیل القدر اور

عظیم الشان موضوع ہے کہ چند صفحات میں اس کی وسعتوں اور اطراف کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کا ہادی و رہبر، آقا و رہنماء بنایا تو اس میں یہ صفت جاذبیت بھی ودیعت کر دی کہ آپ کے امتیوں میں سے (خواہ اس کا تعلق کسی بھی ملک، قوم، زبان، مسلک اور مکتب فکر سے ہو) ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے علم وفہم کے مطابق حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر خامہ فرسائی کر کے کچھ نہ کچھ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت میں لکھے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے آج تک سیرت مبارکہ پر مختلف اسالیب میں مختلف اساطین علم وقلم نے بے شمار کتابیں، مقالات اور مضامین لکھے ہیں اور تاہنوز یہ مبارک سلسلہ جاری ہے، احسان وسلوک (تصوف) سے وابستہ اہل علم وقلم نے بھی مختلف ادوار میں سیرت کے موضوع پر کچھ ضخیم کچھ مختصر کتابیں لکھی ہیں، اس سلسلہ کی ایک کڑی پیر محمد طاہر حسین قادری صاحب کی کتاب بھی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''سیرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم'' رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر ایک مختصر اور جامع کتاب ہے جس میں مصنف موصوف نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر نہایت جامع اور سہل انداز میں روشنی ڈالی ہے، جس کا اسلوب نہایت سادہ، جامع اور دل پذیر ہے، مصنف موصوف ایک مایہ ناز محقق ومصنف ہیں، اس سے قبل بھی آپ کے کئی کتابیں منصۂ شہود پر آکر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے عام قاری کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر علمی وفنی پہلوؤں سے حتی المقدور گریز کیا ہے تاکہ عامۃ الناس بھی سہولت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سیرت طیبہ سے آگہی حاصل کر سکے، یہ اپنے موضوع پر اچھی کاوش اور ذخیرہ کتب سیرت میں ایک مفید اضافہ ہے جس سے عامہ الناس بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔

● **ناموں کے اثرات کی شرعی حقیقت اور اہم مسائل** مولف مولانا مفتی سید انوار شاہ

ضخامت: ۲۰۴ صفحات ناشر مکتبہ الحماد سلام مارکیٹ نزد جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی 03343455955

اسلام انسانوں کی زندگی کی تمام پہلوؤں سے متعلق مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے کے متعلق احکامات اور ہدایات صادر کرتا ہے خواہ وہ کوئی بھی کام یا امر ہو، انسان کی پیدائش سے لے کر موت کے بعد تجہیز وتکفین تک اسلامی تعلیمات نے مکمل رہنمائی کی ہے، انہی امور میں ایک امر یا عمل انسان کی پیدائش کے بعد ان کا نام رکھنا بھی ہے، نام انسان کے تعارف کا ذریعہ

ہے، اس کے ذریعے وہ مخاطب کیا جاتا ہے، اسی سے انسان کی معاشرے میں شناخت ہوتی ہے بغیر نام کے شناخت اور پہچان ناممکن ہے اور یہ نام رکھنے کا سلسلہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ سلسلہ ورود آدمؑ لے کر اب تک جاری ہے لہٰذا شریعت اسلامیہ کی تعلیمات یہ ہے کہ بچے کی پیدائش پر ان کا بہترین، بامعنی اور دلکش نام رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے اور اولاد کا حق ہے کہ والدین اس پر اچھا، دلکش اور بامعنی نام رکھے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات (احادیث مبارکہ فقہ اسلامی کی کتابیں) میں جگہ جگہ بہت سارے احکامات اور ہدایات موجود ہیں اور اس سلسلہ میں بعض اہل علم وقلم نے مستقل کتابیں بھی لکھیں ہیں اس سلسلے کی ایک کڑی مولانا مفتی سید انوار شاہ صاحب کی کتاب بھی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''ناموں کے اثرات کی شرعی حقیقت اور اہم مسائل'' میں مولف موصوف اسلامی ناموں کے متعلق اسلامی تعلیمات، احکامات اور مسائل کو نہایت سلیقے سے جمع کر کے مرتب کیا، نام کنیت اور القاب کے موضوع پر تفصیلی کام کیا ہے، اس موضوع کے متعلق جملہ احکام وتعلیمات کو پیش کیا ہے، ناموں کے معانی، مصادر، اثرات اور خصوصیات پر سیر حاصل بحث کی ہے، یہ اپنے موضوع پر بہترین، مفصل اور تحقیقی کتاب ہے، اللہ شرف قبولیت سے نوازے۔

● **سیرت مصطفیٰؐ نمبر (ماہنامہ المدینہ کراچی)** **مدیر اعلیٰ: قاری حامد محمود صاحب**

ضخامت: ۲۷۰ صفحات ناشر: دفتر ماہنامہ المدینہ صائمہ ٹاورز روم نمبر 205 اے سیکنڈ فلور آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

ماہنامہ ''المدینہ'' کراچی سے نکلنے والا ایک علمی وتحقیقی مجلّہ ہے جس میں اہل وقلم مختلف موضوعات پر مضامین و مقالات لکھ کر قارئین کی علمی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ماہنامہ ''المدینہ'' سال میں کئی مرتبہ مختلف موضوعات پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں جس میں سیرت نبویؐ، سیرت صحابہؓ، سیرت صحابیاتؓ پر اس مجلّے کے خصوصی اشاعتیں قابل ذکر ہے، اس سلسلے کی ایک حسین کڑی ''سیرت مصطفیٰؐ نمبر'' بھی ہے۔ ماہنامہ ''المدینہ'' نے اس سے قبل بھی سیرت نبویؐ پر چار خصوصی اشاعتوں کی سعادت حاصل کی ہے اور ان کو قومی سیرت ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔

زیر تبصرہ خصوصی اشاعت سیرت مصطفیٰ نمبر میں ماہنامہ ''المدینہ'' کے مدیر محترم جناب قاری حامد محمود صاحب نے مشاہیر علم وادب اور معروف سیرت نگاروں کے سیرت مصطفیٰ پر ہمہ جہت علمی وتحقیقی مقالات اس نمبر مین جمع کر کے مرتب کیا ہے۔ اہل علم وقلم نے سیرت نبویؐ اور اس کے متعلقات پر خامہ فرسائی کر کے سیر حاصل بحث کی ہے، رسالت مآبؐ سے محبت، عقیدت اور عشق رکھنے والوں کیلئے یہ کاوش ایک نایاب وانمول تحفہ اور قیمتی علمی سوغات سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ قاری حامد محمود صاحب کی اس کوشش اور کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)